تعلیم و تربیت
فروری
2013ء
یومِ یکجہتی کشمیر
جرم کبھی پھلتا نہیں
صفحہ نمبر 8
پردیسی
صفحہ نمبر 4
قائداعظمؒ نے فرمایا:
جگّو شاہ کا بھوت
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
www.paksociety.com

اس شمارے میں

عنوان	مصنف	صفحہ
اداریہ	مدیر	1
حمد و نعت	کرامت بخاری	2
درسِ قرآن و حدیث	محمد طیب الیاس	3
پردیسی	علی اکمل تصور	4
جرم کبھی پھلتا نہیں	احمد عدنان طارق	8
سوری سر!	جدون ادیب	11
فضول خرچی	محمد زبیر ارشد	13
سوال یہ ہے کہ......!	ادارہ	15
دادو دی علمی آزمائش	ادارہ	16
میری ماں میری جنت	مومنہ بلال	17
مسٹر لال بیگ ---	عبیدہ صبا	19
پیارے اللہ کے ---	راشد علی نواب شاہی	22
معلومات عامہ	ننھے قارئین	24
اے کشمیر	ضیاء الحسن ضیاء	25
احمد کا سچا وعدہ	رانا عمران	26
میری زندگی کے مقاصد	پُرعزم قارئین	28
بچوں کا انسائیکلو پیڈیا	ڈاکٹر طارق ریاض	29
کھیل دس منٹ کا	شاہ زیب اسد	31
بچے کی دعا	علامہ محمد اقبالؒ	32
چچا تیز گام کی جاسوسی---	علی شیخ	33
آیئے مسکرائیں	خوش مزاج قارئین	38
اوجھل خاکے	ادارہ	39
میلو کا جادو	مجیب ظفر انوار حمیدی	40
دو انڈوں کی قیمت	میرزا ادیب	43
آپ بھی لکھیے	ہونہار ادیب	47
انار کا درخت	سید نظر زیدی	51
آپ کا خط ملا	ننھے قارئین	55
آیئے کھوج لگایئے	ننھے کھوجی	57
آیئے عہد کریں	ادارہ	58
جگو شاہ کا بھوت	محمد یونس حسرت	59
ہونہار مصور	ننھے مصور	63
بلاعنوان	ادارہ	64

اور بہت سے دل چسپ تراشے اور سلسلے

سرورق: یوم یک جہتی کشمیر

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں جو اپنے عدل و انصاف کے باعث نوشیروان عادل کہلاتا تھا، ایک بار شکار کے لیے گیا۔ شکار گاہ میں اس کے لیے کباب تیار کیے جا رہے تھے کہ اتفاق سے نمک ختم ہو گیا۔ شاہی باورچی نے ایک غلام سے کہا کہ قریب کی بستی میں جا اور وہاں سے نمک لے آ۔

بادشاہ نے یہ بات سن لی۔ اس نے غلام کو قریب بلایا اور اسے تاکید کی کہ قیمت ادا کیے بغیر نمک ہرگز نہ لانا۔ غلام بولا، حضور والا! ایک ذرا سے نمک کی کیا بات ہے، کسی سے مفت لے لوں گا تو کیا فرق پڑے گا۔

نوشیرواں نے کہا، ضرور فرق پڑے گا۔ یاد رکھو! ہر بُرائی ابتدا میں ایسی ہی معمولی دکھائی دیتی ہے لیکن پھر وہ بڑھتے بڑھتے اتنی بڑی بن جاتی ہے کہ اسے مٹانا آسان نہیں ہوتا۔

پیارے بچو! ہمیں کسی بھی بُرائی کو معمولی خیال نہیں کرنا چاہیے کیونکہ معمولی بُرائی ہی بڑھ کر بہت بڑی بُرائی بن جاتی ہے۔ لہٰذا آپ کو اس سلسلے میں احتیاط برتنی چاہیے۔

کشمیری عوام نے آزادی کے لیے بہت سی قربانیاں دی ہیں۔ ان کی آزادی کی جدوجہد بہت طویل ہے۔ ہر سال 5 فروری کو مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ یک جہتی کے لیے یوم کشمیر منایا جاتا ہے۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کشمیری عوام کو بھارت کے غاصبانہ تسلط اور ظلم سے نجات دلائے اور کشمیری عوام کو آزادی کا سورج طلوع ہوتا دیکھنا نصیب ہو۔

یوم کشمیر کے سلسلے میں ایک خصوصی کہانی بھی اس شمارے میں شامل کی گئی ہے۔

اس ماہ کا رسالہ پڑھیے اور ہم اُمید رکھتے ہیں کہ آپ اپنے پسندیدہ رسالے "تعلیم و تربیت" کے دامن کو رنگا رنگ دلچسپ اور مفید کہانیوں سے بھر دیں گے۔ اپنا خیال رکھیے گا اور دل لگا کر پڑھیے گا۔ آپ سب کے لیے بہت سی دُعائیں۔ خوش رہیں، شاد رہیں اور آباد رہیں۔

فی امان اللہ

چیف ایڈیٹر	ایڈیٹر، پبلشر	اسسٹنٹ ایڈیٹر	مشیر	سرکولیشن اسسٹنٹ
عبد السلام	ظہیر سلام	عابدہ اصغر	سعید لخت	محمد بشیر راہی

سالانہ خریدار بننے کے لیے سال بھر کے شماروں کی قیمت پیشگی بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں سرکولیشن منیجر: ماہنامہ "تعلیم و تربیت" 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور کے پتے پر ارسال فرمائیں۔
فون: 36361309-36361310 فیکس: 6278816

پرنٹر: ظہیر سلام
مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، لاہور۔
سرکولیشن اور اکاؤنٹس: 60 شاہراہ قائد اعظم، لاہور۔

خط و کتابت کا پتا
ماہنامہ تعلیم و تربیت 32۔ ایمپریس روڈ، لاہور۔
N: 042-111 62 62 62 Fax: 042-6278816
E-mail:tot.tarbiatfs@gmail.com
tot tarbiatfs@live com

پاکستان میں (بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک) = 500 روپے۔
مشرق وسطیٰ (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔
ایشیاء، افریقا، یورپ (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔
امریکا، کینیڈا، آسٹریلیا مشرق بعید (ہوائی ڈاک سے) = 1500 روپے۔

قیمت فی پرچہ: 25 روپے

WWW.PAKSOCIETY.COM

کرامت بخاری

حمد باری تعالیٰ

عدم بھی تو ہے بے مثال تو ہے
زوال ہم لازوال تو ہے
ہر ایک شے میں ترا تصور
ہر ایک فکر و خیال تو ہے
تہی جہاں میں ہے حسن فطرت
جمیل تو ہے جمال تو ہے
تہی مصور ہے اس جہاں کا
جہاں میں دستِ کمال تو ہے
ہر ایک ساعت پہ تیری قدرت
کہ خالقِ ماہ و سال تو ہے
میں باخبر ہو کے بے خبر ہوں
جواب تو ہے سوال تو ہے

نعت رسول مقبول

وہ ہادی وہ رہبر وہ اعلیٰ وہ ارفع
ہمارے نبی ہیں ہمارے نبی ہیں
ہر اِک شخص ہے اُن کی رحمت کا طالب
وہ ایسے سخی ہیں وہ ایسے ولی ہیں
گدا ہیں کئی اغنیاء اُن کے در کے
وہ ایسے تونگر وہ ایسے غنی ہیں
وہ ہیں ایک منبعٔ رشد و ہدایت
وہ انوارِ کل ہیں وہ نورِ جلی ہیں
حسینؑ و حسنؑ ہیں نواسے انھی کے
جو بیٹی ہے زہرا تو بھائی علی ہیں
خدا کی خدائی کے مختارِ کل ہیں
وہ ایسے نبی ہیں وہ ایسے نبی ہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

محمد طیب الیاس

کسی کے عیب تلاش کرنا

پیارے بچو!

اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن و حدیث میں بہت سے کام کرنے کے بتائے ہیں اور بہت سے کاموں سے منع فرمایا ہے۔ ان ہی کاموں میں سے ایک کام ''کسی کے عیب تلاش کرنا'' سے روکا ہے۔ جس طرح ہم یہ نہیں چاہتے کہ کوئی ہمارے راز سے واقف ہو اور ہماری ذاتی زندگی منظرِ عام پر آئے، اسی طرح دوسرے لوگ بھی یہ چاہتے ہیں کہ ان کی زندگی اور ان کے عیوب ظاہر نہ ہونے پائیں، کیوں کہ کسی کے عیوب تلاش کرنا اور ان کو اچھالنا ایسا عظیم گناہ ہے جس سے معاشرے کا امن تباہ ہوتا ہے اور اتحاد پارہ پارہ ہوتا ہے۔

اس لیے اللہ رب العزت کا ارشاد ہے کہ: ''اے ایمان والو!...... (کسی کے عیب) کو تلاش مت کرو۔'' (الحجرات: ۱۲)

نبی پاک ﷺ نے حدیث پاک میں اس کا نقصان یوں سمجھایا ہے: ''مسلمانوں کی غیبت مت کرو اور ان کے عیوب کو تلاش مت کرو کیوں کہ جو شخص اپنے بھائی کے عیوب تلاش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے عیوب ظاہر فرما دیتا ہے یہاں تک کہ اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا فرما دیتا ہے۔'' (مسند احمد: ۱۹۳۰۲)

عموماً آپ گھر میں بیٹھے ایک کام کرتے ہیں تو وہ چھپا رہتا ہے اور آپ کے گھر کے افراد ہی اس سے واقف ہو پاتے ہیں لیکن اگر آپ دوسروں کے عیب تلاش کرتے ہیں جیسے چھپ کر کسی کی باتیں سن لیں یا کسی کا خط پڑھ لیا یا فون سن لیا اور اس کے عیب سے واقف ہو گئے تو آپ کا وہ کام جو صرف آپ کے گھر والوں کے علم میں تھا، ظاہر ہو جاتا ہے اور آپ کی رسوائی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ: ''تم بندوں کے گناہوں کو اس طرح نہ دیکھو گویا کہ تم خدا ہو۔'' (مؤطا مالک: ۳۶۱۵)

اس لیے تجسس (کسی کے عیب تلاش کرنے) کی جتنی صورتیں ہیں وہ سب منع ہیں، بعض مرتبہ ہم چھپ کر اپنے والدین یا اساتذہ یا اپنے دوستوں کی باتیں سن لیتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں کہ ہم راز سے واقف ہو گئے حالاں کہ ہمیں ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہو تو اپنی حفاظت یا دوسروں کی حفاظت کی خاطر اس کی باتیں سن سکتے ہیں تاکہ اس کے نقصان سے بچ سکیں۔

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے دنیا میں اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو چھپایا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے عیوب کو چھپائے گا۔'' (مسند احمد: ۱۶۹۵۹)

اور ایک حدیث میں آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ: ''جو شخص کسی مسلمان بھائی کے عیب سے واقف ہوا اور اس کو چھپایا یعنی ظاہر نہ کیا تو یہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے زندہ درگور کی ہوئی لڑکی کو زندہ کیا۔'' (مسلم: ۴۸۹۱)

اگر کوئی شخص کسی کی جان کے درپے ہو اور آپ اس کی جان کو بچا لیں تو یہ بہت نیکی کا کام ہے لیکن ایک معصوم جان کو بچا لینا، زیادہ بڑی نیکی کا کام ہے۔ تو جو کسی کے عیب جان کر ظاہر نہیں کرتا وہ ایک معصوم جان کو بچانے کا ثواب عظیم پا لیتا ہے، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ روزِ قیامت جب سب کے اچھے اور برے اعمال ظاہر کرے گا، اس شخص کو رسوائی سے بچا لے گا، کیوں کہ یہ دُنیا میں کسی کو رسوا نہ کرتا تھا۔

بچو! اگر آپ قیامت کے دن عزت اور رب کی رضا چاہتے ہیں تو کسی کے عیوب ہرگز تلاش مت کیجیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی۔ موسم بھی کچھ زیادہ اچھا نہیں تھا۔ گہرے سفید بادلوں نے آسمان کو گھیر رکھا تھا۔ گل محمد کے گھر کے تمام افراد سو رہے تھے۔ ایسے میں گل محمد کو صرف ایک ہی کام تھا۔ اگر وہ یہ کام نہ کرتا تو اُس کے گھر والے شاید اتنی میٹھی نیند نہ سو پاتے۔ وہ چین کی نیند لے لیں اس لیے گل محمد جاگ رہا تھا۔ آتش دان میں اُس نے مسلسل آگ روشن کر رکھی تھی۔ اس انگیٹھی کا پائپ چھت میں سے باہر کو نکلا ہوا تھا۔ لکڑیوں کا دھواں اس راستے سے باہر نکل رہا تھا۔ کمرے میں مہربان حرارت تھی۔ گل محمد کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ بھی سو جائے لیکن آج سردی کی لہر پورے شباب پر تھی۔ اُس کے سونے کا یہ مطلب ہوتا کہ آگ بجھ جاتی اور پھر ٹھیک ایک گھنٹے بعد سب ہی سردی کی شدت سے ٹھٹھرنے لگتے۔

ابھی رات کا پہلا پہر تھا۔ اچانک ہی پُرسکون ماحول میں جیسے قیامت آ گئی ہو۔ گل محمد کا دل دھل کر رہ گیا تھا۔ اُس کے گھر کے دروازے پر زور دار انداز میں دستک ہوئی تھی۔ ایسی دستک جب بھی ہوتی تھی، قیامت ہی آتی تھی۔ کسی کو جانوروں کی مانند پیٹا جاتا تھا، کسی کو گھسیٹا جاتا تھا، باپردہ عورتوں کی چادریں کھینچ لیں جاتی تھیں اور کسی کو جان سے مار دیا جاتا تھا۔

"یہ دستک بھی کہیں ایسی دستک ہی نہ ہو......" گل محمد کا دل دھل گیا تھا۔ دروازہ ایک بار پھر سے دھڑ دھڑایا گیا تھا۔ اب کی بار دستک زیادہ زور دار تھی۔ ایک ایک کر کے گھر کے تمام افراد نیند سے جاگ پڑے تھے۔ دستک دینے والا اتنی جلدی میں تھا کہ اگر دروازہ کھولنے میں تاخیر ہوتی تو شاید وہ دروازہ توڑ کر اندر ہی گھس آتا۔ گل محمد کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خود ہی دروازہ کھول دے، پھر اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھول دیا۔ باہر کا منظر اُس کی سوچ کے بالکل برعکس تھا۔ دروازے پر ایک جوان آدمی کھڑا تھا۔ اس نے کم گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ کپڑے بھی اب باہر کے خنک زدہ ماحول میں نم آلودہ ہو چکے تھے۔ سردی کی شدت سے اُس کے دانت بج رہے تھے۔ وہ مسلسل اپنے ہاتھ مسلے جا رہا تھا۔ "وہ دھواں......" اُس نے چھت میں موجود چمنی کی طرف اشارہ کیا۔

"آگ...... آگ......" وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ پایا۔ گل محمد سمجھ گیا تھا کہ یہ جوان کوئی پردیسی ہے جو شاید راستہ بھٹک کر

WWW.PAKSOCIETY.COM

ادھر آ نکلا ہے اور اب اُس کی پہلی ضرورت حرارت ہے۔ ورنہ اُس کے جسم کے اعضاء سردی کی شدت سے مفلوج ہو جائیں گے یا پھر وہ مر جائے گا۔ گل محمد نے آگے بڑھ کر اُس کا سرد ہاتھ پکڑ لیا۔ گل محمد کے ہاتھ میں پیار کی گرمی تھی۔ وہ اُسے اپنے ساتھ لیے گرم کمرے میں چلا آیا۔ اُس کے اکلوتے بیٹے فتح محمد نے دروازے کی کنڈی لگا دی تھی۔ چلتے ہوئے پردیسی لنگڑا رہا تھا۔ گل محمد نے اُس پردیسی کو آتش دان کے پاس بٹھا دیا تھا۔

''تمہیں بھوک لگی ہے......'' گل محمد نے پوچھا۔ اُس پردیسی نے پہلے انکار میں سر ہلایا، پھر ہاں کے انداز میں سر ہلا دیا۔ گل محمد کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''فکر مت کرو...... اب تم میرے مہمان ہو......'' اتنا کہہ کر گل محمد اٹھا اور کمرے کے ایک کونے کی طرف بڑھا۔ یہاں ایک لمبی سی چھری پڑی تھی۔ چھری ہاتھ میں پکڑ کر وہ کمرے میں سے باہر نکل گیا۔ چند لمحوں کے بعد پردیسی کے کانوں سے ایک آواز ٹکرائی۔ یوں جیسے کوئی مرغی کو دبوچ رہا ہو۔ وہ سمجھ گیا کہ اُس کی دعوت کے لیے مرغی کو ذبح کیا جا رہا ہے۔ وہ تھوڑا پریشان ہوا، تھوڑا خوش ہوا۔ پریشان اس لیے کہ وہ مرغی کا گوشت کھانا نہیں چاہتا تھا۔ خوش اس لیے کہ وہ بہت اچھے لوگوں کا مہمان بنا تھا۔ اگلے دس منٹ میں اُسی آگ پر مرغی کا گوشت بھونا جا رہا تھا۔ گل محمد کی بیوی نے آٹا بھی گوندلیا تھا۔ پھر کھانے کا دور شروع ہوا۔ پردیسی شاید صدیوں کا بھوکا تھا۔ وہ کھاتا رہا اور گل محمد اُسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ کھانے سے فارغ ہو کر پردیسی کا خیال تھا کہ اُس کا میزبان اس سے سوال پوچھے گا لیکن گل محمد نے یہ بات کہہ کر اُسے حیران کر دیا کہ اب تم آرام کرو، صبح بات کریں گے۔ یہ بھروسے کی بات تھی۔ وہ پردیسی تھکا ہوا تھا۔ پیٹ بھر کر کھانا ملا تو غضب کی نیند آئی۔ وہ آتش دان کے پاس ہی سو گیا۔ ایک بات جو گل محمد نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ سوتے جاگتے کی کیفیت میں پردیسی کراہ رہا تھا، یوں جیسے اُسے کوئی چوٹ لگی ہو اور اُسے تکلیف دے رہی ہو۔ یہ چوٹ اُس کی ٹانگ میں تھی۔ اگلی صبح گل محمد کو اپنے تمام سوالات کے جوابات مل گئے۔

وہ پردیسی اپنی بہن سے ملنے دوسرے گاؤں جا رہا تھا۔ شام ڈھلے اُسے لٹیروں نے گھیر لیا۔ اُسے نقدی اور گرم کپڑوں سے محروم کر دیا اور احتجاج کی کوشش کرتے ہوئے اُس کی ٹانگ پر لاٹھی سے وار کیا۔ یہ وہ چوٹ تھی جو اُسے تکلیف دے رہی تھی اور اب تھوڑا وقت گزرنے کے بعد اُس کی ٹانگ اکڑ گئی تھی۔ اب تو اُس پردیسی سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ گل محمد ایک غریب آدمی تھا لیکن وہ دل کا دریا تھا۔ مہمان کی آمد کو اُس نے خدا کی رحمت سمجھا تھا اور اب وہ اُس کی دل جوئی کے ساتھ ساتھ تیمارداری بھی کر رہا تھا۔

پھر گل محمد تو کھیتوں کی جانب روانہ ہو گیا۔ شام کو جلانے کے لیے اُسے خشک لکڑیاں اکٹھی کرنا تھی۔ اب فتح محمد اس پردیسی کا دل بہلا رہا تھا۔

''وہ مرغی میری چہیتی تھی وہ اب آپ کے پیٹ میں ہے......''

اس بات پر وہ پردیسی خوب کھل کر ہنسا۔ اُن دونوں کے درمیان اچھی دوستی ہو گئی تھی۔ فتح محمد ابھی دس سال کا ہی تو تھا۔ اُس سے بڑی تین بہنیں تھیں۔ سب اُس پردیسی سے گھل مل گئے تھے۔ اب دنیا بھر کی باتیں تھیں۔ گھریلو حالات...... خوف کا ماحول...... وادی پر ہندوستانی فوج کا قبضہ...... کشمیریوں پر فوج کے مظالم...... روزگار کا نہ ہونا...... آئے دن کرفیو لگ جانا...... وہ پردیسی پوری توجہ سے باتیں سنتا رہا اور سناتا رہا۔ وہ بھی تو انہی حالات کا مارا ہوا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ ہم سب کا غم ایک جیسا ہی ہے۔ اب تو کوئی باہر سے آ کر ہی ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اس بات پر فتح محمد کی امی بول پڑی۔

''نہیں بھائی! باہر سے کسی کو آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آزادی کی لہر پہلے بھی کشمیر کے اندر سے اٹھتی رہی ہے اور اب بھی کشمیر کے اندر سے ہی اٹھے گی۔ ہندو فوجیوں کے مظالم کشمیریوں کو بغاوت پر مجبور کرتے ہیں۔''

''درست کہا آپ نے......'' اُس پردیسی نے فوراً ہی سچ کو تسلیم کر لیا۔

رات ہوئی۔ اس رات بھی گل محمد آگ جلائے ہوئے تھا۔ وہ پردیسی اینٹ کے ایک ٹکڑے کو آگ پر گرم کرتا تھا اور پھر اپنی چوٹ والی جگہ کو حرارت دیتا تھا۔ یہ نسخہ گل محمد کا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ جب چوٹ لگتی ہے تو خون جم جاتا ہے۔ اینٹ سے حرارت دینے سے درد جاتا رہتا ہے۔ وہ دونوں باتیں بھی کر رہے تھے۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ اُن کی پہلی ملاقات ہے۔ نصف رات

WWW.PAKSOCIETY.COM

فوج کا مخبر ہے۔ اب سب کی نظریں اُس پردیسی پر آ کر ٹھہر گئی تھیں۔ آفیسر کو معلوم ہو چکا تھا کہ وہ پردیسی گاؤں میں اجنبی ہے۔

''یہ کون ہے......'' آفیسر نے گل محمد سے پوچھا۔

''یہ پردیسی ہے۔ بے چارہ دکھ اور تکلیف کا مارا ہوا ہے۔ یہ وہ نہیں جس کی آپ کو تلاش ہے......'' گل محمد اس پردیسی کو بچانا چاہتا تھا۔

''اس کا فیصلہ ہم کریں گے، تم نہیں......'' اتنا کہہ کر وہ پردیسی کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کون ہو تم......؟'' وہ حکم دینے والے لہجے میں پوچھ رہا تھا، پردیسی خاموش تھا۔

''میں پوچھتا ہوں کون ہو تم......؟'' اس نے ایک بار پھر پوچھا اور ساتھ ہی اپنی بندوق کا بٹ پردیسی کے پیٹ میں دے مارا۔ تکلیف کی شدت سے وہ اوندھا ہو گیا۔ فوجی آفیسر نے اُسے دھکا دے کر نیچے گرایا اور پھر اپنے فوجی بوٹوں سے اُسے ٹھڈے مارنے لگا۔ اب گل محمد آگے بڑھا۔ اُس نے اُس پردیسی پر جیسے چھاؤں کر دی ہو۔ وہ اُس کے اوپر لیٹ گیا تھا۔

''رحم کرو...... چھوڑ دو اسے...... یہ دکھوں کا مارا ہے۔ یہ پہلے ہی چوٹ کھایا ہوا تھا......''

''رکو گل محمد...... میں بتاتا ہوں اسے...... میں کون ہوں......''

اس پردیسی نے اپنے اوپر سے گل محمد کو ہٹا دیا اور پھر کراہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس کا لہجہ بہت عجیب سا تھا۔ اب وہ تن کر کھڑا تھا۔ اُس کے ہونٹوں کے آخری سرے سے خون کی ایک باریک سی دھار بہہ رہی تھی۔ اُس کے اس انداز پر گل محمد حیران رہ گیا، ساتھ ہی صدمے سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ جب بھی ایسے ہندو آفیسر کے سامنے کوئی تن کر کھڑا ہوتا تھا، گولی اُس کے سینے کا مقدر بن جاتی تھی۔ اب بھی شاید ایسا ہی ہونے والا تھا۔ اب وہ پردیسی ایک ایک قدم اٹھاتا آگے بڑھا اور پھر اُس آفیسر کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ وہ طاقت کے نشے میں چور طنزیہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔ پھر ایک قیامت آئی۔ اس پردیسی کا ہاتھ اٹھا تھا اور پھر
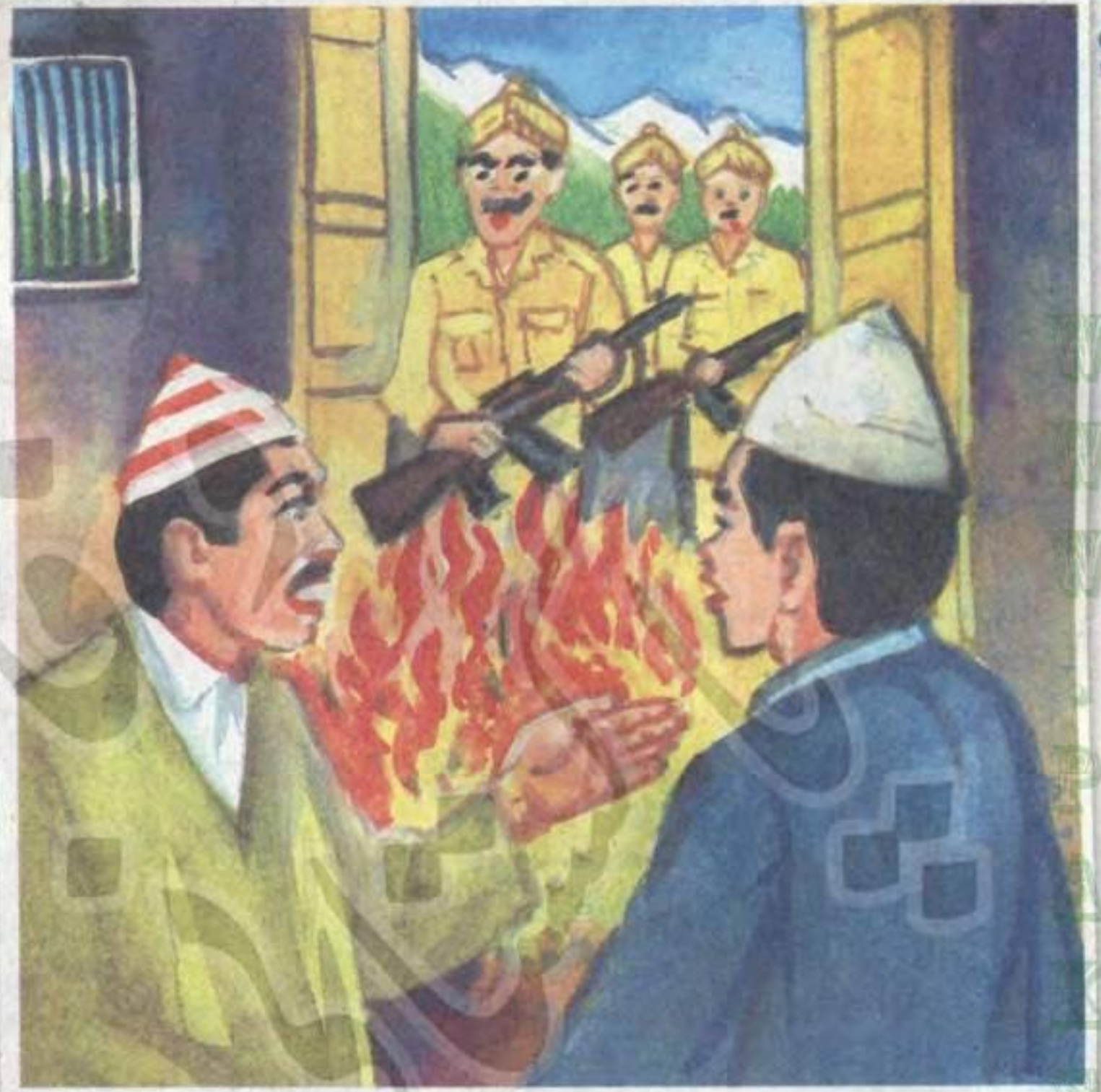
گزر چکی تھی۔ اب وہ دونوں اونگھنے لگے تھے کہ اچانک ایک زور کا دھماکہ ہوا۔

''یااللہ خیر......'' گل محمد کے منہ سے نکل گیا۔ یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے کوئی گلی میں سے بھاگ کر گزرا ہو۔ پھر بہت سے قدموں کی آواز ایک ساتھ فضا میں گونجی۔ گل محمد کے بچے اپنی ماں سے چمٹ گئے تھے لیکن کسی نے شور مچانے کی ہمت نہیں کی تھی۔ اگلا لمحہ قیامت خیز تھا۔ کسی نے گل محمد کے دروازے پر لات ماری تھی۔ گل محمد کی آواز تو جیسے گلے میں ہی اٹک کر رہ گئی تھی۔

''کک...... کون......؟'' کسی نے جواب نہیں دیا تھا۔ بس ایک زوردار دھکا تھا جو دروازے کو لگا تھا اور پھر دروازے کا ایک تختہ ٹوٹ کر قبضے کے ساتھ جھولنے لگا۔ گھر میں گھسنے والے جدید اسلحے سے لیس بھارتی فوجی تھے۔ سب سے آگے اُن کا آفیسر تھا۔

''کہاں ہے وہ......'' اُس نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

''یہاں تو کوئی نہیں آیا......'' گل محمد اٹکتے ہوئے بولا۔ اب اُس آفیسر نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اچانک ایک آدمی نے اُس آفیسر کے کان میں سرگوشی کی۔ گل محمد اس آدمی کو جانتا تھا۔ وہ اس کے گاؤں کا ہی رہائشی تھا۔ گل محمد کو آج معلوم ہوا تھا کہ وہ آدمی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ایک زناٹے دار تھپڑ اُس آفیسر کے گال پر پڑا۔ کمرے میں موجود تمام افراد جیسے سانس لینا بھول گئے ہو۔ آفیسر کی گردن میں موچ آ گئی تھی۔ اپنی بندوق پر اُس کی گرفت مضبوط ہو گئی تھی۔ اب اُسے گولی چلانی تھی۔ جیسے ہی اُس نے بندوق سیدھی کی، اُس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔ اُس پردیسی کے ہاتھ میں ایک خاص قسم کا شناختی کارڈ تھا۔ آفیسر کے ہاتھ سے بندوق چھوٹ گئی تھی۔ فوراً ہی اُس آفیسر نے ایڑھیاں بجا کر اُس پردیسی کو سیلوٹ کیا۔ اُس کے ساتھی بھی الرٹ ہو گئے تھے۔ گل محمد سمجھ گیا تھا کہ یہ پردیسی ان سب کا بڑا آفیسر ہے۔

''دھوکا...... سب دھوکا......'' گل محمد رنجیدہ ہو گیا۔

''نہیں، یہ دھوکا نہیں ہے۔ اس وادی میں جب میرا تبادلہ ہوا تو میں نے سوچا کہ وادی کے اندرونی حالات جاننے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ میں آپ لوگوں سے آپ جیسا ہی بن کر ملوں۔ اگر میں وادی میں آتا تو اس کے انداز میں آتا......'' پردیسی نے بھارتی فوجی کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ لوگوں کے دکھ درد کیا ہیں، میں کبھی نہ جان پاتا۔ دہشت گرد باہر سے نہیں آتے، ایسے لوگ تیار کرتے ہیں۔ آج اگر میں اس گھر میں نہ ہوتا تو یہ فوجی ظلم کر کے چلے جاتے۔ اس ظلم کا انتقام یہ فتح محمد بڑا ہو کر لیتا۔ تو دہشت گرد کس نے تیار کیے، پڑوسی ملک نے یا ہم نے......'' وہ چلا کر بولا۔

''تمہارے خلاف کارروائی میں کروں گا...... تیار رہنا......'' پردیسی نے اُس آفیسر کو دھمکی دی۔ اس کا سر جھک گیا۔ اب وہ پردیسی اُس مخبر کے پاس آیا۔

''تمہارے جیسے لوگ اپنے دوستوں اور اپنے پڑوسیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں، کچھ تو شرم کرو......'' گل محمد اب مسکرانے لگا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اس پردیسی کا طریقہ غلط تھا لیکن مقصد نیک تھا۔

''میں اب رخصت ہوتا ہوں آپ لوگوں نے میری اچھی مہمان نوازی کی۔ ہم لوگ گوشت نہیں کھاتے، آپ لوگوں نے مجھے مرغی کھلا دی......'' وہ پردیسی گل محمد کا ہاتھ پکڑ کر بولا۔ اس کی بات سن کر گل محمد ہنس پڑا۔

''ویسے مرغی مزے دار تھی......'' وہ پردیسی بھی مسکرانے لگا۔ فتح محمد کا منہ بن گیا۔ آخر وہ مرغی اُس کی چہیتی تھی۔ وہ پردیسی رات کی تاریکی میں آیا تھا۔ رات کی تاریکی میں ہی لوٹ گیا لیکن گل محمد کو اس بات کی امید دے گیا کہ بہت جلد اس کی وادی سے بھارتی فوجیوں کا غاصبانہ تسلط اور ظلم و ستم کا خاتمہ ہو جائے گا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

جرم کبھی پھلتا نہیں

احمد عدنان طارق انسپکٹر پولیس

میں ان دنوں کمالیہ شہر میں بطور ایس ایچ او تعینات تھا۔ معمول کے مطابق میں نے اخبار پڑھتے ہوئے ایک انتہائی دردناک خبر پڑھی کہ گوجرہ شہر کے قریب ڈاکوؤں نے رات نیو خان کی بس کو لوٹ لیا ہے اور ڈکیتی کے دوران سفر کرنے والے ایک مسافر کو گولی مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ وہ مسافر ہیڈ کانسٹیبل عارف تھا اور بدقسمتی سے میرے تھانے میں میرے ماتحت تعینات تھا۔ ڈاکوؤں نے عارف کو صرف اس وجہ سے شہید کر دیا کیوں کہ وہ مسافروں کو بے بسی سے لٹتا ہوا نہ دیکھ سکا۔ دو ڈاکو جو سواریوں کے روپ میں بس کی اگلی سیٹوں پر سوار تھے، ان کے ساتھ والی سیٹ پر عارف بیٹھا تھا۔ عارف نہیں جانتا تھا کہ ان کے دو ساتھی بس کی پچھلی سیٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ جیسے ہی عارف کے نزدیک بیٹھے ہوئے ڈاکوؤں نے کھڑے ہو کر پستول نکالے، عارف نے انہیں پکڑنے کی کوشش کی مگر اکیلا ہونے کی وجہ سے جب اس نے ایک ڈاکو کو قابو کیا تو دوسرے ڈاکو نے اُسے گولی مار دی۔ وہ بس کی سیٹوں کے درمیان گرا ہوا زندگی کی آخری سانسیں گنتا رہا اور ڈاکو بس کی سواریوں کو لوٹتے رہے۔ ڈاکو مسافروں سے نقدی، زیور اور موبائل فون چھین کر لے اُڑے، مگر عارف کی قربانی رائیگاں نہیں گئی کیونکہ جس ڈاکو سے وہ ہاتھا پائی ہوتا رہا، وہ اس کا موبائل فون ساتھ لے گیا۔ بچوں کی معلومات کے لیے بتانا ضروری ہے کہ سم کے نمبر کی طرح موبائل سیٹ کا بھی ایک مختلف نمبر ہوتا ہے جس میں اگر کوئی دوسری سم بھی ڈالی جائے تو پتا چل جاتا ہے کہ اب اس موبائل سیٹ کو کون استعمال کر رہا ہے۔ جس ڈاکو نے عارف کا موبائل قبضہ میں لیا، بعد میں اُس نے اُس سیٹ کو اپنی سم ڈال کر استعمال کیا۔

جیسے ہی ڈاکو بس سے نیچے اُترے۔ ان کا ایک ساتھی کار میں سوار بس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ ڈاکو کار میں بیٹھے اور انجانی سمت کی طرف روانہ ہو گئے۔ اگلے دن شام کو ہیڈ کانسٹیبل کی نعش سرکاری اعزاز کے ساتھ دفنانے کے لیے اس کے گھر بورے والا شہر بھجوا دی گئی۔ تھانے میں اُداسی چھا گئی۔ کل تک خوش و خرم عارف جو ہر وقت آتے جاتے مجھے سلیوٹ کرتا تھا، وہ اب کبھی نظر نہ آنے کے لیے گم ہو گیا تھا۔

دو دن کے بعد ڈی پی او صاحب نے مجھے اپنے دفتر طلب کیا اور مجھے ایک موبائل نمبر دیا جو اُس ڈاکو کا تھا جو عارف شہید کے موبائل سیٹ میں اپنی سم استعمال کر رہا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ اس وقت یہ موبائل پاکپتن شہر میں استعمال ہو رہا ہے۔ تم اپنی قابلِ اعتماد

WWW.PAKSOCIETY.COM

ٹیم لے کر جاؤ اور ڈاکوؤں کا سراغ لگاؤ، لیکن یاد رہے کہ یہ نمبر کسی کے نام پر رجسٹرڈ نہیں ہے اور اگر غلطی سے موبائل نمبر والے کو علم ہو گیا تو وہ ٹیلیفون نمبر بند کر دے گا اور ڈاکوؤں کے سراغ لگانے کے لیے موجود واحد راستہ بھی بند ہو جائے گا۔

پاکپتن پہنچ کر میرے لیے سب سے بڑا مسئلہ اپنے اور اپنی ٹیم کے لیے کسی ایسی خفیہ جگہ کا بندوبست کرنا تھا جہاں ہم اطمینان سے ملزمان سے پوچھ گچھ بھی کر سکیں اور سب کچھ راز میں بھی رہے۔ تب اللہ بھلا کرے ایک مقامی زمین دار رزاق بھٹی صاحب کا جنہوں نے ہماری مدد کرتے ہوئے اپنا ڈیرہ ہمارے لیے مختص کر دیا۔ جس کے بعد ہم ٹولیوں کی صورت میں پاکپتن شہر نکلے۔ ہمارے ذہن میں تھا کہ شائد یہ نمبر کسی پی سی او پر نہ چل رہا ہو۔ تبھی اِس کی مستقل لوکیشن پاکپتن شہر آ رہی ہے۔

دو دن اسی طرح گزر گئے اور احساس ذمہ داری شرمندگی میں بدلنے لگا۔ میں نے خدا سے گڑگڑا کر دعا کی کہ عارف شہید کی قربانی رائیگاں نہ جائے۔ تیسرے روز میں اور میرے ایک ماتحت تھانے دار صاحب ٹیلیفون کی کمپنی کال۔ میٹ کے دفتر کے آگے رُکے۔ میں نے وہاں سے کچھ ٹیلیفون کرنے تھے، مگر ہم سخت گرمی میں گھومتے ہوئے تھک چکے تھے۔ اسی وقت میرے ذہن میں ایک آئیڈیا آیا اور میں نے اُس پر عمل کرنے کا سوچ لیا۔ میں نے اللہ کا نام لے کر کال۔ میٹ کے دفتر کے نمبر سے مشکوک ٹیلیفون نمبر پر فون کیا۔ مجھے علم تھا کہ موبائل نمبر چل رہا ہے۔ آگے سے ہیلو ہوئی تو میں نے اُس شخص کو درخواست کی کہ میں کال۔ میٹ کمپنی کے دفتر میں ملازم ہوں اور میری ڈیوٹی ہے کہ جو سمیں کسی کے نام پر رجسٹرڈ نہیں ہیں، میں انُہیں رجسٹر کرواؤں۔ مہربانی فرما کر اپنی سم رجسٹر کروا لیں۔ اُس نے کہا کہ ٹھیک ہے اور ساتھ ہی موبائل سے رابطہ منقطع ہو گیا۔ قریباً ایک گھنٹے کے بعد میں نے دوبارہ انتہائی لجاجت کے ساتھ اُس شخص کو درخواست کی کہ میری نوکری کا مسئلہ ہے اگر آپ کے پاس وقت نہیں ہے تو مجھے اپنا نام پتا بتائیں تاکہ میں آپ کی سم رجسٹر کروا دوں۔ وہ میرے جھانسے میں آ گیا۔ اُس نے مجھے اپنا نام شاہد بتایا اور پتا پاکپتن کے قریب ایک گاؤں کا بتایا اور کہا کہ اس وقت وہ لاہور کسی کام سے آیا ہے۔ میں نے اگلا داؤ کھیلا اور اُسے درخواست کی کہ جب بھی وہ پاکپتن آئے تو میرے یعنی کال۔ میٹ کے دفتر میں میرے ساتھ چائے ضرور پیے۔ اُس نے کہا کہ میں تو کل ہی گاؤں آ رہا ہوں کیونکہ میرے گاؤں میں ہر سال میلہ لگتا ہے۔ پھر اُس نے مجھے میلے پر آنے کی دعوت دی جو میں نے خوشی خوشی قبول کر لی۔ میری راہ کچھ آسان ہو چلی تھی۔ میں اُس گاؤں کے بارے میں سوچ ہی رہا تھا کہ منیجر صاحب نے میری مشکل آسان کر دی اور بتایا کہ کال۔ میٹ کمپنی کا دفتر اُس گاؤں میں بھی ہے۔ میں نے اپنی ٹیم کے ایک دو ممبران کو ساتھ لیا۔ منیجر کے ہمراہ میں اُس قصبہ نما گاؤں میں پہنچا۔ جب ہم دفتر پہنچے تو ہمیں ایسے ملازم ملے جو اِسی گاؤں کے رہائشی تھے۔ منیجر صاحب نے ایک قابلِ اعتبار ملازم سے بات کی تو اُس نے بتایا کہ شاہد غلط قماش کا آدمی ہے اور اُس کے گھر والوں نے بھی اُس سے تنگ آ کر اُسے لاہور کسی رشتہ دار کے ہاں نوکری کرنے بھجوایا ہے۔ اُس نے شاہد کا حلیہ بتایا کہ اُس کی عمر بیس بائیس برس ہے۔ بالکل دبلا پتلا ہے اور سب سے بڑی نشانی اُس کی ایک آنکھ جو چوٹ کی وجہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

سے ضائع ہوگئی تھی، اب اُس نے آنکھ میں پتھر لگوایا ہوا ہے۔ لٹنے والی بس کی سواریوں نے بھی ایک ڈاکو کا یہی حلیہ بتایا تھا۔

اگلے دن علی الصبح گاؤں میں دو نئی سفید گاڑیاں داخل ہوئیں۔ ایک گاڑی سے میں اپنے باڈی گارڈز کے ساتھ اُترا۔ میں نے سفید کاٹن کا اکڑا ہوا شلوار قمیص پہنا ہوا تھا۔ ایک طرف ملنگ لنگر پکا رہے تھے، دوسری طرف مزار کے قریب دھمال ڈالی جارہی تھی۔ جو ملنگ دھمال ذرا زیادہ جوش سے ڈال رہے تھے، اُن میں میرے دو ساتھی ملنگوں کے بھیس میں تھے۔ میں نے سب سے اپنا تعارف "عدنان نون" کے نام سے کروایا اور بتایا کہ میں زمین دار ہوں اور یہ میلہ میرے بچپن کا آبائی ہے۔ یہ دعویٰ کرنے کی سزا مجھے یہ ملی کہ زندگی کا سب سے بدمزا کھانا مجھے ملنگوں کے لنگر سے عقیدت ظاہر کرنے کے لیے کھانا پڑا جو دو موٹی موٹی روٹیوں اور لمبے شوربے میں تیرتے ہوئے مرچوں سے لبریز پیٹھے کدو کے بڑے بڑے ٹکڑوں پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ مجھے ملنگوں پر روپے بھی نچھاور کرنے پڑے جس کا اگلے مہینے میرے بجٹ پر خاصا منفی اثر پڑا لیکن میں ملنگوں کا اعتبار جیتنے میں کامیاب ہوگیا۔ میرے ساتھی سارا دن میلے میں پتھر کی آنکھ والا مجرم ڈھونڈتے رہے مگر ندارد، آخر قدرت کو ہم پر ترس آیا اور مجھے ایک باڈی گارڈ نے آکر بتایا کہ وہ اپنے دوستوں سمیت میلہ میں ہے۔

مزید توقف کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ ہم نے کمانڈو ایکشن کرتے ہوئے شاہد کو اُٹھایا اور اس سے قبل کہ کسی کو سمجھ آئے، ہم شاہد کو لے کر چلتے بنے۔ اب ہمارا رخ رزاق بھٹی صاحب کے ڈیرہ کی طرف تھا۔ گاڑی میں سب سے پہلے میں نے شاہد سے اُس کا موبائل لیا۔ عارف شہید کے موبائل سیٹ کا IMEI (انٹرنیشنل موبائل ایکیوپمنٹ ایڈنٹی فیکیشن) نمبر ہمارے پاس تھا جو ہم نے شاہد کے موبائل سیٹ سے میچ کرلیا کیونکہ شاہد کے پاس عارف شہید کا ہی موبائل سیٹ تھا۔ یہ بہت بڑی کامیابی تھی۔

اس سے پہلے کہ کوئی شاہد کی گم شدگی کی خبر اُس کے دوسرے نامعلوم ساتھیوں تک پہنچائے، ہمیں شاہد کے ساتھیوں کا علم ہو جانا چاہیے تھا۔ آدھ گھنٹہ میں شاہد نے اپنے ساتھیوں کے نام اور پتے ہمیں بتا دیئے۔ وہ سب خطرناک مجرم تھے۔

ایک مجرم ڈوگر، شاہد کے گاؤں سے تھا اور قصور شہر سے خاصا آگے مرغیوں کے ایک ریسرچ سنٹر میں ملازم تھا۔ دو گھنٹے میں ہم شاہد کی نشان دہی پر وہاں پہنچے۔ ریسرچ سنٹر کے ملازمین کا حاضری رجسٹر چیک کیا تو اس کا نام موجود تھا مگر مزے کی بات یہ تھی کہ بس ڈکیتی والی تاریخوں میں وہ ڈیوٹی سے غیر حاضر تھا۔ وہ ڈیوٹی کی شفٹ ختم کرکے سنٹر سے ملحق بنے ہوئے کوارٹرز میں تھا۔ اُسے چور کی داڑھی میں تنکا کی مصداق شائد بھنک پڑ گئی اور وہ دیوار پھلانگ کر باہر کھیتوں کی طرف بھاگ نکلا۔ جس کا تعاقب کیا گیا تو وہ فائرنگ کرنے لگا مگر جوابی فائرنگ سے بھیگی بلی بن کر کھڑا ہوگیا اور اپنا ہتھیار پھینک دیا۔

اُن کا تیسرا ساتھی ندیم مال روڈ لاہور کے ایک کپڑوں کے شوروم کے مینیجر کا بیٹا تھا۔ اُسے اُس کے گھر سے گرفتار کیا گیا۔ ندیم کے والد شریف آدمی تھے۔ اُنھوں نے پولیس سے پورا تعاون کیا۔ چوتھا ملزم بہاولنگر کے قریب ایک گاؤں میں کھیتی باڑی کرتا تھا۔ کچھ دوڑ دھوپ کے بعد اُسے بھی گرفتار کرلیا گیا۔

پانچواں ملزم مصطفےٰ جو ڈکیتی والی رات کار پر سوار تھا، اس گینگ کا سرغنہ تھا۔ وہ گوجرہ کے قریبی گاؤں کا رہائشی تھا۔ یہ اُس جگہ سے نزدیک ہی تھا جہاں بے چارہ حوالدار شہید ہوا تھا۔ تبھی وہ بس میں ڈکیتی کے دوران شامل نہیں ہوا تاکہ سواریوں میں سے کوئی اُسے پہچان نہ لے، لہٰذا وہ کار میں ہی رہا۔ مصطفےٰ کچھ عرصہ قبل ایک ڈکیتی کے مقدمہ میں جیل گیا تو باقی چاروں بھی کسی نہ کسی جرم میں ملوث ہوکر جیل میں چلے گئے تھے جہاں ان کا اس ڈکیتی کا پروگرام بنا۔

مجھے اور میری ٹیم کو میرے سینئر افسران نے بڑی عزت افزائی سے نوازا۔ نقد انعامات بھی ملے، لیکن میرا اصل انعام عارف شہید کے والد کا دو دفعہ میرے گلے لگ کر مجھے شاباش دینا تھا۔ پہلی دفعہ جب میں نے ملزمان گرفتار کیے تو عارف کے ماں باپ مجھے ملنے آئے اور دوسری دفعہ تب جب ملزمان کو عدالت سے گناہ گار پا کر سزا سنائی گئی، تو دونوں میاں بیوی میرے گھر مٹھائی لے کر آئے۔ دونوں کی آنکھوں میں آنسو تھے جو شائد خوشی کے بھی تھے اور اظہار تشکر کے بھی۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ اتوار کا دن تھا۔ میں اپنے گھر کی صفائی ستھرائی میں اپنی بیگم کی مدد کر رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ کاموں سے فراغت پا کر بال بنوانے حجام کے پاس جاؤں گا۔

بہت دن سے اپنے لیے وقت نہیں نکال پا رہا تھا۔ میں ایک ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں کری ایٹو ڈائریکٹر تھا اور یہ مقام میں نے سخت جدوجہد کے بعد بہت کم عرصے میں حاصل کیا تھا۔ میری بیگم کو صفائی ستھرائی کا بہت خبط ہے اور چھٹی کے دن میری تو شامت ہی آ جاتی ہے۔ اس وقت بھی میں جھاڑن لے کر فانوس صاف کر رہا تھا کہ میرا موبائل بجا اور پھر بند ہو گیا۔ اس سے قبل میسج کی ٹون کئی بار بجی تھی مگر میں نے توجہ نہیں دی تھی۔ میں سمجھ گیا کہ کسی کو میسج کا فوری جواب چاہیے۔ میں پھر بھی مصروف رہا۔ آخر تھوڑی فرصت ملی تو موبائل اٹھا کر دیکھا۔ میرے دوست نعیم کی مس کال تھی اور میسج بھی تھے۔ میں نے جلدی سے میسج پڑھا تو لکھا تھا کہ فوری طور پر جنرل اسپتال پہنچوں۔

میں نے فوراً نعیم کا نمبر ملایا۔ اس نے دیر سے رابطہ کرنے پر شکوہ کیا اور بولا کہ میں فوراً اسپتال پہنچوں۔ اس کی بیگم کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ آپریشن تھیٹر میں تھی اور اس کا خون رکنے میں نہیں آ رہا تھا۔ خون کی اشد ضرورت تھی۔

میں نے اپنے حلیے پر غور کیا تو وہ بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔ ویسے تو میرے کام کے حوالے سے مجبوری ہے کہ تھری پیس سوٹ پہننا پڑتا ہے مگر اس وقت دوسرا معاملہ تھا۔ میں نے ٹی شرٹ کے اوپر ہی ایک میلی سی شرٹ پہن لی اور موٹر سائیکل اڑاتا ہوا اسپتال جا پہنچا۔ نعیم مجھے ایمرجنسی کے باہر مل گیا۔ وہ بہت پریشان تھا۔ ایک ٹرک نے موٹر سائیکل پر سوار اس کی بیگم اور اس کے سالے کو ٹکر مار کر شدید زخمی کر دیا تھا۔ بھائی کو تو چوٹیں کم آئیں تھیں مگر اس کی بیگم کی حالت نازک تھی۔ نعیم کا سالا زخمی ہونے کے باوجود خون کے انتظام میں لگا ہوا تھا اور نعیم کی بیگم کو خون کی کئی بوتلیں لگ چکی تھیں۔

میں اور نعیم بلڈ بینک پہنچے۔ نعیم نے کاؤنٹر پر میرا نام لکھوایا اور بتایا کہ میں اس کی بیگم کو خون دینے آیا ہوں۔

کاؤنٹر گرل نے مجھے غور سے دیکھا۔ اس کی نظروں میں میرے لیے حقارت تھی۔ شاید اسے لگا کہ میں کوئی غریب آدمی

WWW.PAKSOCIETY.COM

ہوں اور پیسے لے کر خون دے رہا ہوں یا پھر کوئی نشہ کرنے والا انسان ہوں اور نشے کے لیے خون بیچ رہا ہوں۔ کاؤنٹر گرل نے تحقیر آمیز انداز میں نفی میں سر ہلایا۔ اس وقت نعیم ایک رشتہ دار کو ریسیو کرنے باہر چلا گیا تھا۔

میں سمجھ گیا کہ کاؤنٹر گرل مجھے غلط سمجھ رہی ہے مگر میں چپ رہا۔ کاؤنٹر گرل نے روکھے اور سخت لہجے میں کہا: ''آپ تھوڑی دیر کے لیے باہر چلے جائیں۔ یہ صاحب خون دے چکیں تو آپ کا سمپل لیتے ہیں اور اگر خون میں خرابی نہ ہوئی تب آپ کا خون ہم لیں گے۔''

میں نے مڑ کر دیکھا۔ وہاں چار بیڈ تھے اور صرف ایک بیڈ پر ایک نوجوان لیٹا ہوا تھا جس کا خون لیا جا رہا تھا۔ شاید میری ظاہری حالت اس قابل نہیں تھی کہ مجھے وہاں برداشت کیا جا سکتا۔ میں نے سوچا، اپنا تعارف کرا دوں، پھر میں چپ رہا۔ اسی لمحے اندر سے ایک نوجوان نکلا۔ میں باہر جانے کے لیے مڑا تھا کہ اس نے مجھے پکارا اور بڑی خوش مزاجی سے رکنے کو کہا۔ میرے ساتھ ہاتھ ملایا۔ جب میں نے اسے بتایا کہ میں خون دینے آیا ہوں تو اس نے فوری طور پر میرا اسمپل لیا اور مجھ سے پوچھا:

''سر! آپ نے پہلے کبھی خون دیا ہے؟''

میں نے بتایا کہ ایک سال پہلے دیا تھا۔ اس نے مجھے بیڈ پر بیٹھ کر انتظار کرنے کو کہا مگر کاؤنٹر گرل کی وجہ سے میں نے معذرت کی اور باہر آ گیا۔ پھر جب سمپل پاس ہو گیا تو میں واپس اندر گیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ جب میں خون دے چکا تو وہی نوجوان ایک جوس کا پیکٹ کاؤنٹر پر رکھ گیا۔ میں نوجوان کی ہدایت کے مطابق دس منٹ اور لیٹا رہا اور پھر کاؤنٹر پر آیا تو کاؤنٹر گرل نے دانستہ مجھے نظر انداز کر دیا۔ میں باہر نکلنے لگا تو وہی نوجوان پھر باہر آیا۔ اس نے ملامتی نظروں سے کاؤنٹر گرل کو دیکھا اور جوس اٹھا کر مجھے دیا۔

مجھے اس سارے واقعے میں کاؤنٹر گرل کے ردعمل اور رویے نے بہت دکھ پہنچایا تھا۔ وہ میری ظاہری حالت دیکھ کر مجھ سے نفرت کا رویہ اختیار کیے رہی، جب کہ خود اس کی حیثیت بھی اتنی خاص نہ تھی۔

تین دن بعد میں گلدستہ لے کر اسپتال پہنچا تو نعیم نے بتایا کہ میری بلڈ رپورٹ بھی آ چکی ہوگی، وہ بھی لے لینی چاہیے۔

میں اس وقت تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھا۔ میں نے جیب سے ربن کا چشمہ نکال کر پہن لیا اور ایپل کمپنی کا نیا سیٹ پکڑ کر نعیم کے ساتھ کاؤنٹر پر پہنچا تو کاؤنٹر گرل مجھے نہ پہچان سکی اور چشم براہ ہوگئی۔ وہ میرے ظاہری حلیے سے اس قدر متاثر ہوئی کہ سر! سر! کرنے لگی۔ نعیم نے میرا نام بتا کر بلڈ رپورٹ طلب کی تو اس نے پھرتی سے رپورٹ نکال کر ہمارے سامنے رکھ دی۔ وہ کاؤنٹر گرل اب تک مجھے پہچان نہیں سکی تھی۔ نعیم نے میری رپورٹ دیکھ کر بے ساختہ کہا: ''ارے واہ...... تمہارا بلڈ گروپ تو او نیگیٹو ہے۔ بڑا قیمتی خون ہے تمہارا...... تمہارے نیکی کے جذبے کی طرح......''

اب کاؤنٹر گرل بُری طرح چونکی۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک دوڑ گئی۔ دوسرے لمحے وہ حیران اور اگلے لمحے شرمندہ نظر آنے لگی۔ میں نے نعیم کی بات کے جواب میں کہا:

''سب سے قیمتی چیز اخلاق اور محبت ہوتی ہے۔''

میں ایک طرف ہوا تو کاؤنٹر گرل نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ میں اسے ایک مفید سبق دینا چاہتا تھا، اسے شرمندہ نہیں کرنا چاہتا تھا، اس لیے میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے کچھ کہنے سے روک دیا۔ میرے لبوں پر ایک مہربان مسکراہٹ آئی اور میں نے آہستہ سے کہا: ''نیور مائنڈ...... یعنی میں بُرا نہیں مناتا، اگر کوئی غلطی کر دے تو......''

کاؤنٹر گرل نے ایک دفعہ پھر سوری کہنے کی کوشش کی مگر میں نے پھر روک دیا اور کہا: ''سسٹر: پلیز کسی ایکسکیوز کی ضرورت نہیں......''

نعیم میری طرف آیا تو میں اس کے ساتھ باہر نکل آیا۔

مجھے پتا تھا کہ اگر وہ کاؤنٹر گرل سوری کہہ دیتی تو شاید پھر پہلے جیسی ہو جاتی مگر میں نے اسے سوری کہنے نہیں دیا اور اسے وہ سبق دیا، جو اُسے پہلے کسی نے نہیں دیا تھا۔ پھر وہ واقعی بدل گئی اور اب اپنے شعبے میں بااخلاق کاؤنٹر گرل تھی۔ میں نے نعیم کو ساری بات بتا دی تھی اور میرے سبق کے کارگر ہونے کا ثبوت اسے مل چکا تھا۔ مجھے اس بات کی بہت خوشی تھی کیوں کہ میں جانتا تھا کہ اخلاق ایسا ہتھیار اور ایسا حربہ ہے کہ وہ آپ کی ترقی کی رفتار کو کئی گنا بڑھا دیتا ہے اور آپ کی شخصیت کو ہر دل عزیز بنا دیتا ہے۔

آزمائش شرط ہے......!

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

محمد زبیر ارشد

فضول خرچی

''حارث بیٹا! اب بس بھی کرو۔ بہت دیر سے نہا رہے ہو، جلدی باہر آؤ۔''

''اچھا امی جان! بس ابھی آیا۔''

حارث بہت ذہین اور سمجھ دار طالب علم تھا، مگر اس میں ایک عادت پختہ ہوگئی کہ جب گھر میں یا کہیں جانا ہوتا اور غسل خانے میں ہاتھ دھونا پڑ جاتے تو وہ کافی دیر لگا دیتا، جس سے بہت سا پانی ضائع بھی ہوتا۔ سبھی اسے کہتے کہ بیٹا! ہاتھ منہ جلدی دھویا کرتے ہیں، اس طرح پانی ضائع نہیں کرتے مگر وہ جونہی پانی کے نیچے ہاتھ رکھتا اسے اتنا مزا آنے لگتا کہ وہ خود پہ قابو نہ رکھ پاتا۔

اس کے اسکول والے بچوں کو تفریحی دورہ میں ایسی جگہ کی سیر کرانے لے گئے جہاں لوگ بہت مشکل سے پانی اکٹھا کر پاتے تھے اور یہ سب کچھ دیکھ کر طلبا حیران رہ گئے تھے کہ پانی کے بغیر وہ اپنی زندگی کس طرح گزارتے تھے۔ یہاں آ کر حارث حیران رہ گیا کہ چھوٹے چھوٹے برتنوں میں بمشکل دو دن کا پانی جمع ہوتا اور ختم ہو جانے پر کافی دور جا کر بھر کے لانا پڑتا تھا۔ حارث سیر و تفریح کے بعد گھر لوٹا تو وہاں کے لوگوں کی گزر بسر جان کر بہت حیران تھا، جس کی وجہ سے اب اس میں پانی ضائع کرنے کی عادت بھی ذرا کم نظر آنے لگی تھی۔ تقریباً ہفتہ بعد وہ سب بھول بھال گیا اور واپس اپنی ڈگر پہ چلنے لگا۔ اس کو اسکول سے گرمیوں کی چھٹیاں ہو گئی تھیں اور وہ گھر میں بیٹھا بور ہو رہا تھا۔ اس نے امی ابو سے کہا کہ وہ اسے سیر کرانے کراچی لے جائیں۔ اس نے بہت لاڈ سے کہا تو ابو نے کہا کہ اچھا ٹھیک ہے، میں دفتر کے معاملات دیکھ کر چھٹی لینے کی کوشش کروں گا۔

حارث کی مراد بر آئی اور اپنی پھوپھی کے ہاں کراچی جانے کا پروگرام طے ہو گیا۔ جب اس کے ابو ریل گاڑی کی ٹکٹیں لے کر آئے تو حارث خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ حارث کراچی میں بڑی بڑی عمارتیں، بسیں اور خوبصورت جگہیں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ بابائے قوم کے مزار پر گارڈز کے ساتھ تصاویر اور انہیں سلام کر کے اسے بہت مزا آیا۔ اس کا یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ مزار قائد کے اردگرد بنے ہوئے پارکس میں اس نے انکھیلیاں کیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

اور خوب لطف اٹھایا۔ اس کو پھوپھا اور پھوپھی نے کراچی میں بہت سی جگہوں کی سیر کرائی، خاص طور پر سمندر میں تو جی بھر کے نہایا۔ گھر واپس آکر کپڑوں اور جسم سے لگی سمندر کی ریت اتارنے غسل خانے میں جو گیا تو وہاں برتنوں میں جمع سارا پانی ختم کر دیا۔ پھوپھی نے تو کوئی بات نہ کی مگر حارث کے ابو کو بہت شرمندگی ہوئی کہ یہاں کے لوگ پانی کتنی مشکل سے اکٹھا کر کے استعمال کرتے ہیں۔ جب پھوپھا کو یہ بات معلوم ہوئی کہ حارث پانی کا بے دریغ استعمال کرتا ہے تو انہوں نے سوچا کہ حارث بیٹے کو پیار سے سمجھا دیتے ہیں، امید ہے کہ وہ اب پانی ضائع نہیں کرے گا۔ اتنے میں قریبی مسجد سے مغرب کی اذان بلند ہوئی، گھر کے سبھی افراد باری باری وضو کرنے غسل خانہ کی طرف بڑھنے لگے تو معلوم ہوا کہ حارث اندر گیا ہوا ہے۔ حارث نے حسب عادت برتنوں میں جمع شدہ پانی بہانا شروع کر دیا۔ گھر کے تمام افراد اس صورت حال پر پریشان ہوئے مگر اپنے مہمانوں کو ذرہ برابر محسوس نہ ہونے دیا۔ نماز کی ادائیگی کے بعد جب سب لوگ واپس آئے تو سب نے مل کر کھانا کھایا۔ حارث اٹھ کر دوبارہ ہاتھ منہ دھونے چل دیا۔

حارث جب واپس آیا تو پھوپھا نے اسے اپنے پاس بلایا اور کہا: ''بیٹا! ادھر آؤ، ایک بات سنو۔ آپ کے ابو نے مجھے بتایا ہے کہ آپ پانی بہت ضائع کرتے ہیں اور میں نے بھی محسوس کیا کہ تم پانی کا بلا ضرورت اور بے دریغ استعمال کرتے ہو۔ پانی اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس پر ہماری زندگی کا انحصار ہے۔ بیٹا! کراچی میں پینے والے پانی، خاص طور پر میٹھے پانی کی شدید کمی ہے۔ ہم اور ہماری طرح یہاں کے دیگر لوگ بے پناہ مشقت کے بعد ہفتے بھر کا پانی جمع کر پاتے ہیں اور اس کو سوچ سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ اگر ہم اللہ کی دی ہوئی نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے بے دریغ بہانا شروع کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض ہو جائے گا۔ اللہ کی نعمتوں کو ضائع کرنا اچھی بات نہیں۔

میرے بیٹے! آپ تو بہت سمجھ دار ہیں، آئندہ پانی بالکل ضائع مت کرنا۔ آپ کو اندازہ نہیں جن جگہوں پر پانی بالکل نہیں ہے، وہاں لوگ اپنی زندگی کیسے گزارتے ہیں۔ ایک حدیث مبارکہ ہے کہ ہمارے پیارے رسول ﷺ ایک صحابیؓ کے پاس سے گزر رہے تھے۔ وہ صحابیؓ وضو فرما رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے سعدؓ! یہ کیا فضول خرچی کر رہے ہو؟'' حضرت سعدؓ نے عرض کیا: ''کیا وضو میں بھی فضول خرچی ہوتی ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں! خواہ تم بہتے ہوئے دریا کے کنارے کیوں نہ بیٹھے ہو۔'' دیکھا بیٹا! پانی کی کس قدر اہمیت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی پانی ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔''

''پھوپھا جان! میں آپ سب سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں آئندہ پانی جیسی نعمت کو کبھی بھی ضائع نہیں کروں گا اور دوسرں کو بھی منع کروں گا۔''

''شاباش! میرے بیٹے۔''

☆☆☆

سلسلہ ''کھوج لگایئے'' میں ان بچوں کے جوابات بھی درست تھے۔

ثوبان احمد سومرو، بہاولپور۔ شایان اظہر، سرگودھا۔ محمد حسنین معاویہ، ڈیرہ اسماعیل خان۔ صدف بھٹی، بہاولپور۔ محسن فضل کریم، راولپنڈی۔ احسن خان گھوٹکی، سندھ۔ بلال احمد، اٹک۔ محمد اسید خالد، ملتان۔ نازش فاطمہ، گوجرانوالہ۔ سید حسین حیدر، کہوٹہ۔ میر داد حسین، ساہیوال۔ محمد عمر، راولپنڈی۔ فرح مسعود، لاہور۔ رمشا امان، لاہور۔ رابعہ شاہد، گجرات۔ مآب زینت، کینٹ جہلم۔ محمد عثمان غنی، کھاریاں۔ عائشہ عثمان، فیصل آباد۔ اسامہ راشد، راولپنڈی۔ علیشہ محمود، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ فرحان اشرف، ہارون آباد۔ ولید احمد، ڈیرہ اسماعیل خان۔ رمشہ ذوالفقار، میر پور آزاد کشمیر۔ علیزے علی ملک، لاہور۔ حسنین احمد، جہلم۔ عبد المقیت، لاہور۔ اسد علی انصاری، ملتان۔ لائبہ سعید، لاہور۔ محمد عمر، گوجرانوالہ۔ حاشر خان، لاہور۔ انوشہ منظور، کراچی۔ اسامہ ندیم، لاہور۔ فیضان اظہر، سرگودھا۔ وردہ یسٰین، لاہور۔ سیدہ ارضیٰ بخاری، گوجرانوالہ۔ عائشہ عامر، وزیر آباد۔ شہرین صادق، گوجرانوالہ۔ عبداللہ اطہر، راولپنڈی۔ ایمن طاہر، اسلام آباد۔ جواد معاویہ، اٹک۔ کوثر ناز، لاہور۔ مدثرہ خلیل، جہلم۔ مستنصر حسین، فیصل آباد۔ حافظ عبدالمتین چغتائی، ملتان۔ حافظ حامد ضیاء، لاہور۔ جویریہ صدیق، لاہور۔ اقراء رفیق، شیخوپورہ۔ محمد ابو ہریرہ، علی پور۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

دماغ لڑاؤ

داؤدی علمی آزمائش

درج ذیل دیے گئے جوابات میں سے درست جواب کا انتخاب کریں۔

1۔ قرآن پاک میں مکی سورتیں کتنی ہیں؟

i۔ 86 سورتیں ii۔ 87 سورتیں iii۔ 90 سورتیں

2۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد نبیؐ نے دوسرا نکاح کس خاتون سے کیا؟

i۔ حضرت عائشہؓ ii۔ حضرت سوداؓ iii۔ حضرت میمونہؓ

3۔ سب سے اولین مسجد کا نام بتایئے، جس کی تعمیر میں نبیؐ خود شریک ہوئے تھے۔

i۔ مسجد رزیق ii۔ مسجد قباء iii۔ مسجد نبویؐ

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کون سے معجزات منسوب ہیں؟

i۔ مردہ کو زندہ کرنا ii۔ ہوا پر قابو پانا iii۔ عصا و ید بیضا

5۔ رمضان کے علاوہ کون سا رکن اسلام میں ہے جس کا نام اسلامی مہینے میں بھی آتا ہے؟

i۔ محرم ii۔ ذی الحج iii۔ ربیع الاول

6۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کا مزار برصغیر کے کس شہر میں واقع ہے؟

i۔ دہلی ii۔ پاک پتن iii۔ ملتان

7۔ بندرگاہوں کا شہر پاکستان کے کس شہر کو کہا جاتا ہے؟

i۔ گوادر ii۔ بن قاسم iii۔ کراچی

8۔ کوہ سینا کس ملک میں واقع ہے؟

i۔ شام ii۔ مصر iii۔ لبنان

9۔ حفیظ جالندھری نے پاکستان کے قومی ترانے میں اردو کا ایک لفظ کون سا شامل کیا؟

i۔ کا ii۔ کی iii۔ کے

10۔ 711ء میں کون سا مسلمان فاتح برصغیر میں داخل ہوا؟

i۔ محمد بن قاسم ii۔ سلطان محمود غزنوی iii۔ امیر تیمور

جوابات علمی آزمائش جنوری 2013ء

1۔ حضرت ابراہیمؑ 2۔ سات دن بعد 3۔ والدہ ماجدہ 4۔ محمد ﷺ 5۔ آٹھ دن 6۔ بڑی مچھلی 7۔ حضرت حمزہؓ 8۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ 9۔ سو اونٹ 10۔ 612ء

اس ماہ بے شمار ساتھیوں کے درست حل موصول ہوئے۔ ان میں سے 3 ساتھیوں کو بذریعہ قرعہ اندازی انعامات دیے جا رہے ہیں۔

☆ اقصیٰ نور، ڈی آئی خان (150 روپے کی کتب)

☆ حسنین احمد، میر پور (100 روپے کی کتب)

☆ علیحہ عمران، ساہیوال (90 روپے کی کتب)

دماغ لڑاؤ سلسلے میں حصہ لینے والے کچھ بچوں کے نام بہ ذریعہ قرعہ اندازی:

اسفند یار سلطان، لاہور۔ علی عبدالباسط، اٹک۔ اویس محمد، گھوٹکی سندھ۔ اس علی انصاری، ملتان۔ حافظ انس محمود کھوکھر، گوجرانوالہ۔ مناہل بابر، لاہور۔ حسنین احمد، جہلم۔ عنیز احمد، سرائے عالمگیر۔ رابعہ شاہد، گجرات۔ فاطمہ نور، ہارون آباد۔ سعد سہیل، جہلم۔ محمد اثمار، گوجرانوالہ۔ ولید اشرف، گوجرہ۔ جواد معاویہ، اٹک۔ محمد عبداللہ طاہر، لاہور کینٹ۔ مدثرہ خلیل، جہلم۔ محمد مدثر چغتائی، ملتان۔ حافظ حامد ضیاء، لاہور۔ شہرین صادق، گوجرانوالہ۔ ذیشان صدیق، تحریم مریم شاہد، ملتان۔ یحییٰ محمود، فیصل آباد۔ محمد ابو ہریرہ، علی پور چٹھہ۔ زاوش جدون، ایبٹ آباد۔ جواد احمد فراز، لاہور۔ حافظہ اقراء الیاس، کینٹ لاہور۔ کشف طاہر، لاہور۔ اقراء احسان اعوان، فاروق آباد، شیخوپورہ۔ عبداللہ بن نعیم، جہلم۔ قانتہ رحمان، راولپنڈی۔ منزہ فاطمہ، ملتان۔ ملک ولید زیب، پشاور۔ عبدالرحمٰن خالد، کراچی۔ محمد بن اکرم، سرگودھا۔ اقصیٰ منیر، فیصل آباد۔ حمزہ مقصود، لاہور۔ ثمرن علیم، اسلام آباد۔ طوبیٰ امجد، صفدر آباد شیخوپورہ۔ حفصہ ملک، راولپنڈی۔ مظہر عباس، خانیوال۔ صدیقہ محمد علی، ملتان۔ قدسیہ مبین، اسلام آباد۔ محمد حمزہ، سرائے عالم گیر۔ عامر نذیر، لاہور۔ شمائلہ کریم، راولپنڈی۔ فوزیہ احمد، احور رانا، لاہور۔ روحی ناز، جہلم۔ بشریٰ اصغر، کراچی۔ سفینہ احمد، گجرات۔ ثانیہ عقیل، کوئٹہ۔ انیس شیخ، ملتان۔ ☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

وہ بہت حسین منظر کے سامنے کھڑا تھا۔ سامنے پہاڑوں کا منظر ہر کسی کی طبیعت کو خوش گوار بنا دیتا ہے۔ درخت جھوم رہے تھے۔ ہلکی ہلکی بارش بھی ہو رہی تھی مگر ماضی کی یادیں اُس کا پیچھا چھوڑنے کو تیار نہ تھیں۔ وہ امریکہ میں ایک کامیاب بزنس مین تھا۔ پیسے کی کمی نہ تھی۔ حمزہ کا اکلوتا بیٹا، علی منہ میں سونے کا نوالہ لے کر پیدا ہوا تھا۔ جس چیز کا نام زبان پر ہوتا وہ چیز منٹوں میں سامنے آ جاتی مگر علی کی ایک خواہش کے آگے وہ مجبور تھا۔

''ڈیڈی! میرے دادا ابو کہاں ہے؟ میرا فرینڈ (Friend) کہتا ہے کہ اُس کے دادا ابو اُس کو بہت سی چیزیں لا کر دیتے ہیں، میرے دادا ابو مجھے چیزیں کیوں نہیں بھیجتے؟'' ننھا علی معصومیت سے پوچھتا مگر حمزہ کے پاس اُس کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ اپنے آپ کو ماضی میں لے جاتا۔ اُس کو اچھی طرح یاد ہے کہ جب اُس نے او لیول (O-Level) شان دار نمبر لے کر پاس کیا تو اُس کے ابو نے اُس کو بہترین کار لے کر دی تھی۔ اِسلام سے محبت اُس کے خون میں شامل تھی۔ اکلوتا بیٹا ہونے کے باوجود وہ ماں باپ سے بہت محبت کرتا تھا۔ اس کے والدین اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے اور اُس پر فخر کرتے تھے۔ حمزہ کا باپ اُس کو پڑھائی کے لیے بیرون ملک بھیجنے کا ارادہ کر رہا تھا مگر حمزہ نے صاف انکار کر دیا کیونکہ اُس کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ اگر وہ بیرون ملک چلا گیا تو اُس کے ماں باپ کا کیا ہو گا؟ اِس لیے اُس نے پاکستان میں ہی پڑھائی جاری رکھی۔

وہ ایک خوش گوار صبح تھی۔ حمزہ تیار ہو کر کالج کی طرف جا رہا تھا کہ اُس کی نظر اچانک اُس کے پُرانے دوست اجمل پر پڑی۔ وہ چیخ اُٹھا۔ ''اجمل! تم......! تم تو امریکہ جا کر ایسے غائب ہوئے کہ آنے کا نام ہی نہیں لیا۔''

''بس یار پڑھائی میں مصروف تھا۔ اب دو ماہ بعد دوبارہ جانا ہے مگر تم سناؤ! تم کیسے ہو؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ تمہاری امی کیسی ہیں؟'' حمزہ نے پوچھا۔

''وہ بالکل ٹھیک ہیں مگر میں اس بات پر حیران ہوں کہ تم ابھی تک یہاں ہو؟'' اجمل نے حیرانی سے پوچھا۔

''کیا مطلب؟ یہاں ہوں؟''

''ارے میرا مطلب ہے کہ تمہارے پاس تو بہت پیسہ ہے۔ پھر تمہارے لیے باہر جانا کوئی مشکل تو نہیں۔ ارے یار کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو؟ کیوں اپنی زندگی برباد کرنے پر تلے بیٹھے ہو؟ امریکہ میں تمہیں ایسی نوکری ملے گی کہ تمہیں عمر بھر پیسے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔''

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’نہیں یار! میں نہیں جا سکتا، میں اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا ہوں۔‘‘

’’تم نہیں سمجھو گے! اپنی ساری زندگی اسی طرح گزار دو گے تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔‘‘ اجمل نے زچ ہو کر کہا اور منہ پھیر کر چلا گیا۔

حمزہ نے اُس وقت اجمل کی بات پر دھیان نہ دیا مگر رات کو جب وہ کھڑکی کے سامنے کھڑا، تازہ ہوا کا لطف اُٹھا رہا تھا تو اُس کے کان میں بار بار اجمل کے الفاظ گونج رہے تھے مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ ماں باپ کی خدمت کرنے سے اُس کی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ اُس نے اِن ساری باتوں کو نظر انداز کر کے اپنے دل کی بات اپنے ابو سے کہہ ڈالی۔ باپ کے پاس پیسے کی کمی تو تھی نہیں، اِس لیے ایک مہینے میں ہی ویزہ لگ گیا۔

دوپہر کے بارہ بج رہے تھے وہ ائرپورٹ پر کھڑا اپنے ماں باپ کو خدا حافظ کہہ رہا تھا اور ان کو یقین دلا رہا تھا کہ وہ پڑھائی مکمل کر کے ان کے پاس واپس آ جائے گا۔

’’بیٹا وہاں جا کر اپنے پیارے رسولؐ کے دین کو مت بھولنا۔ دنیا میں مت کھو جانا۔ خدا سے ہمیشہ ڈرتے رہنا۔ ہر معاملے میں اُسی کو پکارنا۔ اپنی ماں کی تربیت کا پاس رکھنا۔‘‘ یہ اُس کی ماں کے آخری الفاظ تھے۔ اُس کے بعد ماں نے اپنے لختِ جگر کو اپنے سے علیحدہ کیا اور دل پر پتھر رکھ کر اُسے خدا حافظ کہا۔

وقت پَر لگا کر اُڑتا رہا۔ حمزہ نے پڑھائی مکمل کرنے کے بعد ایک مسلمان مگر امریکی لڑکی عائشہ سے شادی کر لی۔ اُس کے بعد اُن کا بیٹا علی پیدا ہوا۔

حمزہ اور عائشہ اب صرف ننھے علی کی طرف متوجہ تھے۔ چند سالوں میں حمزہ ایک کامیاب بزنس مین بن گیا۔ وہ اپنے ماں باپ سے کیے ہوئے وعدے بھول چکا تھا اور دلی سکون سے محروم تھا۔ اُس کو کبھی خیال نہیں آیا کہ وہ زندہ ہیں کہ مر گئے ہیں۔

’’ڈیڈی! ڈیڈی! آپ کیا سوچ رہے ہیں؟‘‘ حمزہ، علی کے سوال پر چونکا اور سر ہلا کر کہنے لگا: ’’نہیں، کچھ نہیں بیٹا! اُس نے پیار سے علی کو اپنی گود میں بٹھا لیا۔

’’ڈیڈی! آپ نے بتایا نہیں کہ میرے دادا دادی کدھر ہیں؟‘‘ علی نے سوال کیا مگر عائشہ، علی کو گود میں اُٹھا کر اُسے کمرے میں چھوڑ آئی اور آ کر حمزہ کے پاس بیٹھ گئی مگر حمزہ کا ذہن کسی اور ہی دنیا میں تھا۔

’’عائشہ پیکنگ (Packing) کر لو، ہم پاکستان جا رہے ہیں۔‘‘ حمزہ نے اچانک خبر دی۔

’’پاکستان؟ مگر کس کے پاس؟‘‘ عائشہ نے حیرت سے سوال کیا۔

’’اپنے امی ابو کے پاس!‘‘ حمزہ نے جواب دیا اور اُٹھ کر چلا گیا اور عائشہ حیرت زدہ ہو کر حمزہ کی جانب دیکھ رہی تھی۔

اگلے ہفتے وہ اپنی فیملی (Family) کے ساتھ جہاز میں بیٹھا، پاکستان کی طرف پرواز کر رہا تھا۔ عائشہ نے راستے میں حمزہ سے بہت سے سوال کیے مگر حمزہ خاموش رہا۔ وہ پاکستان پہنچ چکے تھے۔ وہ سب جہاز سے اُترے اور ٹیکسی میں سوار ہوئے۔ حمزہ نے اپنے گھر کا پتا بتایا۔ جب گاڑی گھر کے نزدیک رُکی تو حمزہ کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اُس نے جلدی سے سامان اُتارا اور گھر کی جانب بڑھا۔ گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ حمزہ دھڑکتے دل کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ لان میں ایک عورت اور دو مرد بیٹھے ہوئے تھے اور ایک خالی جھولے کو دیکھ رہے تھے جس میں کبھی حمزہ جھولا جھولتا تھا۔

’’امی! ابو!‘‘ وہ چیخ اُٹھا۔ ماں باپ بھی اس آواز کو پہچان کر اس کی طرف لپکے۔ حمزہ نے بھاگ کر انہیں گلے لگا لیا۔ ’’بیٹا! تم کہاں تھے؟ ہم تم سے مایوس ہو چکے تھے اور یہ......‘‘ اُس کی امی نے عائشہ اور علی کی طرف اشارہ کیا۔ ’’امی یہ میری بیوی عائشہ ہے اور یہ میرا بیٹا علی ہے۔‘‘ علی کی شکل ہو بہو حمزہ سے ملتی تھی۔ حمزہ کی امی نے جھک کر عائشہ کے ماتھے کو چوما اور علی کو گود میں اُٹھا لیا۔ پھر حمزہ اپنے ابو کی طرف بڑھا اور اُن کو گلے لگا لیا۔ ’’چلو بیٹا اندر چلیں۔‘‘ اُس کے ابو نے کہا۔

آج اُن کے گھر میں عید کا سا سماں تھا۔ ننھا علی دادا کی گود سے اُترتا تو دادی کی گود میں جا بیٹھتا۔ حمزہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے اُس کے دل سے بوجھ اُتر گیا ہو۔ امی نے اُس کی پسند کا کھانا بنایا ہوا تھا۔ عائشہ بار بار کچن میں مدد کے لیے جاتی مگر حمزہ کی امی پیار سے اُس کو ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بھیج دیتیں۔

حمزہ کا دل تو خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اتنا عرصہ اپنے ماں باپ کی خدمت نہیں کی اور ان کی محبت اور شفقت سے محروم رہا۔ اب اپنے والدین کے ساتھ اس کو دلی سکون ملا تو اس نے سوچا کہ واقعی سچ ہے۔

’’میری ماں، میری جنت ہے۔‘‘

WWW.PAKSOCIETY.COM

آیئے! آپ کو مسٹر لال بیگ سے ملواتے ہیں۔ مسٹر لال بیگ کا نام لال بیگ کیسے پڑا، آپ سمجھے کہ ان کی شکل لال بیگ سے ملتی ہے؟ نہیں، ایسی بات نہیں ہے۔ لال بیگ کا اصل نام لال دین بیگ ہے۔ اب زبان میں روانی کے لیے لوگوں نے دین نکال کر لال بیگ ڈال دیا۔ اب لال بیگ کا مطالبہ تھا کہ ان کا احترام کیا جائے لہٰذا لوگوں کو مجبوراً لال بیگ سے پہلے مسٹر لگانا پڑا۔

مسٹر لال بیگ سیدھے سادے سے ہیں۔ طبیعت میں جلد بازی پائی جاتی ہے۔ ہر بات اور کام میں خواہ مخواہ ٹانگ اڑاتے ہیں، چاہے ٹانگ ہی ٹوٹ جائے۔ خیر یہ تو ان کی عادتیں تھیں۔ حلیہ بھی ملاحظہ کیجیے! دُبلے پتلے سے ہیں، لمبی ناک ہے جو پانی پیتے ہوئے سب سے پہلے گلاس میں ڈوبتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی چندی آنکھیں، آنکھوں پر چشمہ ہے، رنگ سانولا ہے۔ ہاتھ میں پان کی تھیلی، کھلے پائنچوں کے پائجامے پر لمبا سا کرتہ۔ پان کا بیڑا منہ میں دبائے رکھتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے دانت چھالیہ کھا کر گھس چکے ہیں۔ ہونٹوں کی باچھوں سے پان کی پیک اکثر نکلتی ہے۔ مسٹر لال بیگ نے پان کی پیک سے ہر چیز کو لال کر رکھا ہے۔ پان کی پچکاری سے دیواروں پر پیک کاری کا فن دکھاتے نظر آتے ہیں۔ ان کی ایک عادت تو اور بھی ہے، جی ہاں ڈھکن چرانے کی۔ ڈبوں کے ڈھکن اکثر چرا لیتے ہیں۔ باورچی خانے کے ڈرم اور ڈبوں پر ڈھکن نظر نہیں آتے۔ سبھی ان کی اس عادت سے عاجز ہیں۔

کل ہی کی بات لے لیجیے، میر صاحب کا لڑکا کھیر دینے آیا۔ دروازے پر دستک ہوئی تو پان منہ میں دبائے دروازہ کھولنے گئے۔ دیکھا تو دروازے پر میر صاحب کا لڑکا ہاتھ میں ڈونگہ لیے کھڑا تھا۔ مسٹر لال بیگ نے بغیر ڈھکن کے ڈونگے کو گھورا، پھر لڑکے کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنا دوسرا ہاتھ کمر کے پیچھے کر رکھا تھا جیسے کچھ چھپا رہا ہو۔

''یہ ڈونگے کا ڈھکن کہاں ہے؟'' مسٹر لال بیگ نے پوچھا۔

ابھی لڑکا جواب دینے نہ پایا تھا کہ مسٹر لال بیگ نے آگے بڑھ کر ہاتھ سے ڈونگے کا ڈھکن چھینا، کھیر اس پر ڈالی اور واپس بھیج دیا۔ مسٹر لال بیگ کی اس حرکت پر میر صاحب کا لڑکا کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کہتے کہتے رُکا اور واپس چلا گیا۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا تو اماں باوا کو ان کی شادی کی فکر ہوئی۔ مسٹر لال بیگ کو کمانے کی فکر تو لاحق نہیں ہوئی کیونکہ آبائی جائیداد اتنی تھی کہ گزر بسر اچھی طرح ہو رہی تھی۔ تو جناب دلہن کی تلاش ہوئی ۔ قرعہ صغیرہ بانو کے نام نکلا۔ صغیرہ بانو مزاج کی کڑوی، پٹاخہ قسم کی خاتون تھیں۔ تو تڑاخ سے کم بات نہ کرتیں۔ لال بیگ کی شخصیت ان کے سامنے دب سی جاتی جو سدا کے بدحواس ہیں۔ صغیرہ بانو نے باپ کی دہلیز پار کی اور سرخ جوڑے میں ملبوس مسٹر لال بیگ کے گھر میں قدم رکھا۔ سرخ جوڑے میں آسانی سے ان کی شکل نظر نہ آتی، اگر سونے کے چمکتے زیورات نہ پہنے ہوتے۔

اب مسٹر لال بیگ کے آنگن میں پانچ کلیاں اور پانچ پھول کھل چکے ہیں۔ کیا سمجھے آپ صحن کا باغیچہ؟ نہیں بھئی! اللہ نے پانچ بیٹیاں اور پانچ بیٹے عطا کیے۔ بچوں کی یہ فوج ظفر موج آفت کی پرکالہ تھی۔ مسٹر لال بیگ نے اگر کوئی چیز بانٹنی ہوتی تو گھر کی خیرات گھر ہی میں بٹ جاتی۔ یہی دس بچے کہیں محلے میں قرآن خوانی کے لیے بلائے جاتے تو منٹوں میں ایک قرآن پاک ختم کر ڈالتے۔

گھر میں ہر وقت چیخم دھاڑ رہتی۔ صغیرہ بانو ہر وقت انہی کے پیچھے بولائی بولائی پھرتی۔

ایک دن صغیرہ بانو نے چچی کے گھر جانا تھا۔ شام تک واپسی تھی۔ مسٹر لال بیگ صحن میں چارپائی پر بیٹھے حقہ گڑگڑا رہے ہیں۔ پان کا بیڑا منہ میں دبا رکھا ہے۔

''اجی سنیئے......!'' صغیرہ بانو ان کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

''کیا بات ہے......؟'' مسٹر لال بیگ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔

''میں چچی کے ہاں جا رہی ہوں، گھر اور بچوں کا خیال رکھنا۔''

''بہت اچھا! میرے بھی اچھے دن آئے۔'' مسٹر لال بیگ بڑبڑائے۔

''کیا مطلب میرے جانے سے......؟''

''م......م...... میرا مطلب ہے جب تم پاس ہوتی ہو تو میرے دن بہت اچھے گزرتے ہیں۔'' مسٹر لال بیگ نے صغیرہ بانو کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ صغیرہ بانو یہ سن کر اٹھلائیں اور شرم سے دوپٹے کا کونہ منہ میں داب لیا۔ مسٹر لال بیگ نے سکون کا سانس لیا۔

''اب تم گھر کو تہس نہس مت کر دینا۔ بچوں کو دوپہر کا کھانا کھلا دینا۔ باقی کام میں آ کر کر لوں گی۔'' صغیرہ بانو سمجھانے لگیں۔

''تم فکر نہ کرو، سارے کام جانتا ہوں۔ بس تم تسلی رکھو!'' مسٹر لال بیگ نے فخر سے سینہ تانا۔

صغیرہ بانو نے سر پر ٹوپی والا برقعہ پہنا، دو بچوں کو بغل میں لیا اور روانہ ہو گئیں۔ اب مسٹر لال بیگ کو کارنامے اور اپنی کارکردگی دکھانے کا موقع ملا تھا۔ پہلے تو گھر کی صفائی ستھرائی کی، پھر گملوں کو پانی دیا۔ ایسے ہی شام ڈھلنے لگی۔

''ابا! ابا! بھوک لگی ہے۔'' منا منمنایا۔

''ہر وقت کھانے کو مانگتا ہے۔ ابھی دیتا ہوں کھانے کو۔'' بچوں کی محبت کا لاوا دل میں پھوٹا، اس سے پہلے کہ پگھل کر باہر آتا باورچی خانے میں گھس گئے۔ اب بچوں کا اجلاس باورچی خانے میں ہی بلوا لیا۔

''بلو تو میرا خاص دان لے آ اور پان بھی لگا دینا۔ مودے تو میرا حقہ تازہ کر لا۔ کافی دیر سے نہیں پیا۔

راشد تو ذرا چولہا تو جلا دینا۔ کڑاہی بھی دھو کر رکھ دے۔''

اب مسٹر لال بیگ سوجی اور شکر تلاش کرنے لگے۔ سوجی اور شکر کے ڈبے الماری میں دھرے تھے جو کافی اونچی تھی۔ مسٹر لال بیگ کا ہاتھ نہ پہنچ سکتا تھا۔ لہٰذا مودے کو بلا کر کہا کہ تو میرے کندھے پر چڑھ جا اور الماری سے سوجی اور شکر نکال لے۔ مودا مسٹر لال بیگ کے کندھے پر سوار ہوا۔ اب مسٹر لال بیگ کا کیا دھرا سامنے آنے لگا۔ ڈبوں کے ڈھکن غائب تھے۔ مودے نے ڈبوں میں چیزیں تلاش کرنا شروع کیں۔ ڈھکن تو تھے نہیں، لال مرچوں کے ڈبے کا ڈھکن بھی غائب تھا۔ اب مودے کی ناک میں لال مرچوں کی بساند جو پڑی تو زور سے چھینک ماری۔ نیچے مسٹر لال بیگ اپنی سوچوں میں گم کھڑے ہیں کہ اچانک ایک کونے سے ایک چوہا نکلا اور مسٹر لال بیگ کے پاؤں کے قریب آ گیا۔ مسٹر لال بیگ ایک دم گھبرائے، اوپر سے جب مودے نے چھینک ماری اور نیچے سے مسٹر لال بیگ کھسکے تو مودا دھڑام سے زمین پر آ گرا۔

سب بچوں کو اکٹھا کیا۔ جھاڑو پکڑی اور چوہے کے پیچھے بھاگے۔ سب بچے پیچھے پیچھے چوہا تلاش کر رہے تھے۔ مسٹر لال بیگ

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھک کر ہانپنے لگے۔ اب ان کا دل چاہا کہ تھوڑا سا وقفہ لے لیں۔ سیڑھیوں کے پاس بیٹھنے لگے۔ بیٹھتے ہی کوڑے کے ڈرم پر گرے اور پھنس گئے۔ ٹانگیں اوپر دھڑ ڈرم کے اندر اور چیخ رہے تھے۔ سب بچے اکٹھے ہو گئے۔ مسٹر لال بیگ کی مضحکہ خیز حالت دیکھ کر پہلے تو سب ہنسے پھر پریشان ہوئے کہ ڈرم کو مسٹر لال بیگ سے آزاد کروائیں یا مسٹر لال بیگ کو ڈرم سے کھینچیں۔ بچوں نے سیڑھیوں پر کھڑے ہو کر مسٹر لال بیگ کو کھینچا۔ کچھ بچوں نے ڈرم کو پکڑا اور مسٹر لال بیگ کو باہر نکالا۔ مسٹر لال بیگ اب کچھ عجیب سی حالت میں تھے۔ کمر کمان کی طرح جھکی ہوئی تھی۔ بچوں نے کمر پر دو تین دھمو کے جڑے تو کمر سیدھی ہوئی۔

''کہاں گیا چوہا؟'' ان کے سر پر ابھی تک چوہا سوار تھا۔

''ابا چوہا چھوڑیے، بھوک لگی ہے کھانا دیجیے۔'' منا رو دیا۔

''ابھی دیتا ہوں تمہیں پکا کر۔'' مودے پرات لا، ارشد پانی لے کر آ، بلو نمک لا۔ اب مسٹر لال بیگ نے آٹا نکالنا تھا کہ ایک دم بجلی چلی گئی۔ باورچی خانے میں اندھیرا چھا گیا۔ موم بتی جلائی گئی۔ بچے اندھیرے میں باورچی خانے سے کھسک گئے کیونکہ صبح سے وہ سب پھرکی کی طرح گھوم رہے تھے۔ مسٹر لال بیگ نے آٹے کا ڈرم ڈھونڈھنا شروع کیا۔ ڈرم باورچی خانے کے دروازے کے پیچھے تھا۔ ڈرم پر آٹا نکالنے کے لیے جھکے۔ اسی وقت صغیرہ بانو گھر میں داخل ہوئیں۔ کچھ کر دکھانے کی بے چینی سوار تھی۔ بیوی نے برقعہ اتارا اور سیدھی باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اندر آنے کے لیے دروازے کے پٹ کو دھکیلا تو مسٹر لال بیگ کا منہ ڈرم میں جا پڑا۔ ناک میں آٹا جو گدگدایا تو سر باہر نکالا اور باہر آئے۔

بیوی انہیں دیکھ کر چلائی۔ ''بھوت بھوت ....''

مسٹر لال بیگ بیوی کو دیکھ کر چلائے۔ ''بھوت بھوت ....''

اب بچے بھی اکٹھے ہو گئے۔ بچوں کی چیخم پکار الگ ہو رہی تھی۔ ایک دم بجلی جو آئی تو صورت حال واضح ہوئی۔ مسٹر لال بیگ آٹے میں لتھڑے لال بیگ سے سفید بیگ لگنے لگے۔ سر سے آٹا جھاڑا تو بچے ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

بیوی بولی: ''کون ہو تم؟''

''بیگم تمہارا گھر والا ....''

''کیا کیا .... کیا بکتے ہو تم ....؟'' صغیرہ بانو پہچان نہ پائیں۔

کپڑے سے چہرہ صاف کیا تو صغیرہ بانو کو تسلی ہوئی کہ یہ تو اپنا ہی بندہ ہے۔ مسٹر لال بیگ خجل سے ہو کر دوبارہ باورچی خانے کی طرف پلٹ گئے۔

''مودے ادھر آ .... ابھی حلوہ پکانا ہے ....!'' مسٹر لال بیگ نے مودے کو آواز دی۔

اب چولہے پر کڑاہی رکھی، گھی گرم ہوا، سوجی بھونی گئی تو مسٹر لال بیگ نے شکر لانے کے لیے کہا، اتفاق کہیے کہ دوبارہ لائٹ چلی گئی۔ خیر موم بتی کی روشنی میں حلوہ تیار ہوا۔ صغیرہ بانو نے رات کے کھانے کا دستر خوان لگایا، کھانا چنا گیا۔ مسٹر لال بیگ بہ ضد ہوئے کہ پہلے حلوہ کھایا جائے۔ صغیرہ بانو اَڑ گئیں کہ میٹھا بعد میں ہو گا۔ منا جو میٹھے کا شوقین تھا بولا کہ پہلے میٹھا۔ اب مسٹر لال بیگ نے چمچ سے حلوہ پلیٹ میں نکالا اور منے کو دیا۔ منے نے بُرا سا منہ بنایا۔ مسٹر لال بیگ چونکے۔ ''یا الٰہی خیر!''

اب مودے نے حلوہ چکھا، اس نے بھی منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔ اب مسٹر لال بیگ نے چمچ منہ میں ڈالا تو حلوہ نمک سے کڑوا تھا۔ بلو دستر خوان سے اٹھا اور باہر کی طرف بھاگا اور ہاتھ میں پھٹی ہوئی کتابوں اور کاپیوں کا پلندہ لے آیا۔

''ابا لئی تو بہت بن گئی ہے کتابوں کے صفحے پھٹ گئے ہیں، جوڑ دیجیے۔''

مسٹر لال بیگ کھسیانے سے ہوئے اور اس کے سر پر ایک چپت لگائی۔ بجلی بدستور غائب تھی۔ حلوے کو چھوڑ سب کھانا کھانے لگے۔ اچانک اُوئی کی آواز آئی۔

صغیرہ بانو نے موم بتی کی مدھم روشنی میں دیکھا کہ مسٹر لال بیگ کا ہاتھ شوربے کے گرم ڈونگے میں جا پڑا تھا۔ ڈھکن جو غائب تھے۔

''مزا چکھو اب ....'' صغیرہ بانو بولی۔

اب مسٹر لال بیگ نے توبہ کی کہ وہ باورچی خانے کا رخ نہیں کریں گے۔ مسٹر لال بیگ اب آگے کیا کریں گے؟ تو بچو! اگلے شمارے میں پڑھیں گے کہ مسٹر لال بیگ کی بدحواسی کہاں گل کھلائے گی تو انتظار کیجیے گا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

راشد علی نواب شاہی

پیارے اللہ کے پیارے نام

اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ

(امن دینے والا)

اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُہٗ اپنے بندوں کے گمان کو پورا فرماتے ہیں اور انہیں ناامید نہیں فرماتے۔

پیارے بچو! اس دُنیا میں کتنی ایسی چیزیں ہیں جو زہریلی ہیں جیسے سانپ اور بچھو۔ کچھ تکلیف پہنچانے والے ہیں جیسے درندے اور وحشی جانور، سینکڑوں بیماریاں، بلائیں اور مصیبتیں ہیں، جراثیم ہیں۔ اگر چل رہے ہوں تو فضا میں سے کوئی زہریلی چیز نقصان پہنچا دے۔ درخت کے نیچے سے گزر رہے ہوں، درخت سے کوئی زہریلا جانور ہمیں کاٹ لے۔ سینکڑوں لوگ ایسے ہیں جو دریا کو کشتی کے ذریعے عبور کرتے ہیں۔ اگر بیچ دریا میں کشتی ڈوب جائے تو کون بچانے والا ہے؟

دریا کے کنارے

اس اسم مبارک کی تشریح لکھتے وقت ہم دریائے سندھ کے کنارے ایک کشتی میں بیٹھے ہیں۔

گرمیوں کے موسم میں دریا بھرپور چڑھا ہوا ہے اور بڑی تیزی سے بہہ رہا ہے۔ روزانہ کشتیاں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک لوگوں کو لاتی، لے جاتی ہیں۔ لوگ کشتیوں میں موٹر سائیکل بھی لے کر جاتے ہیں، بڑی کشتیوں میں ٹریکٹر بھی لے کر جاتے ہیں۔ بڑی بڑی لکڑیاں، بھوسے سے بھرے ہوئے بورے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک شہر میں لے جانے کے لیے لے کر جاتے ہیں۔ ایک کشتی کو سترہ سالہ لڑکا چلا رہا ہے۔ بیچ دریا میں غرق ہونے سے امن کون دیتا ہے......؟ کشتیوں میں سوار بچوں، عورتوں، بوڑھے اور جوانوں کو موت سے امن کون دیتا ہے......؟ یہاں کے دیہاتوں میں بجلی نہیں ہے مگر دریا کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا نے سخت گرمی سے لوگوں کو امن میں رکھا ہے۔ اگر ہوا چلے تو بجلی کی کمی محسوس نہیں ہوتی بلکہ سخت گرمیوں میں بھی رات کو ٹھنڈ محسوس ہوتی ہے۔ ہر طرف جنگل ہیں۔ جنگل میں سانپ اور درندے بھی ہیں۔

وہ ایک مٹھی

معرکۂ بدر کے دن کفار کا لشکر بڑے تکبر سے مسلمانوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ مسلمان تو مٹھی بھر ہیں، صرف 313 اور ہم ان سے بہت زیادہ یعنی ایک ہزار جوانوں پر

WWW.PAKSOCIETY.COM

مشتمل ہیں۔

آپ ﷺ نے کفار کے لشکر کو دیکھ کر دُعا مانگی: ''یا اللہ! آپ نے جو فتح کا وعدہ مجھ سے فرمایا ہے، اسے جلد پورا فرما دے۔''

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کافروں سے امن و سلامتی میں رکھنا تھا کیوں کہ وہی پریشانی اور موت سے امن دینے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا۔

انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: آپ ایک مٹھی مٹی کی لے کر دشمن کے لشکر کی طرف پھینک دیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ایسے ہی کیا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ایک مٹھی کے ذریعے ان کافروں کی صفوں کو تہس نہس کر دیا۔ وہ ایک مٹھی اس طرح پھیلی کہ سارے لشکر والوں کی آنکھوں میں پڑ گئی اور پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔

مسلمانوں نے کافروں کا تعاقب کیا اور اُن کو چن چن کر ہلاک کر دیا۔

ابتدا میں مسلمان طرح طرح کے اندیشوں میں گھرے ہوئے تھے لیکن تھوڑی ہی دیر میں اتنی بڑی فتح مل گئی تو آپس میں مسلمان اپنے اپنے کارنامے بیان کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

ترجمہ: ''جو شخص تمہارے ہاتھوں قتل ہوئے ان کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے قتل کیا۔''

''(اے ﷺ) یہ مٹھی کنکریوں کی جو آپ نے پھینکی وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکی۔''

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو کافروں کی تلواروں، مصیبتوں اور تکلیفوں سے امن دیا اور صرف ایک مٹھی مٹی سے کافروں کے لشکر کو تہس نہس کر دیا۔

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

کافروں کی طرف سے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچانے کا سلسلہ عروج پر تھا۔ برادری، رشتے دار اور کفار آپ کو اپنے آبائی وطن مکۃ المکرمۃ سے نکلنے پر مجبور کر رہے تھے اور یہ امت کے لیے سبق تھا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اگر اپنے گھروں کو چھوڑنا پڑا تو انہیں بھی چھوڑ دیں گے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیارے نبی ﷺ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ ہجرت کے اس سفر میں آپ ﷺ کے رفیق سفر و حضر آپ کے ساتھ تھے۔ یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ لیکن اس وقت آپ کے پاس نہ کوئی سواری تھی نہ کوئی جائے پناہ۔ آپ ﷺ کا پیچھا کرنے والے کافر سوار بھی تھے اور پیدل بھی لیکن وہ ذات جو ناکامی کے اسباب میں سے کامیابی دے سکتی ہے۔ ذلت کے اسباب میں سے عزت اور موت کے اسباب میں امن دے سکتی ہے۔ اس نے اپنے حبیب ﷺ کو اس گھبراہٹ اور پریشانی کے موقع پر امن دے کر دکھایا۔

آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے غار ثور میں پناہ لے لی۔

کافر غار کے دہانے تک آ پہنچے اور قریب ہی تھا کہ اندر داخل ہو کر ان دونوں کو پکڑ لیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض بھی کیا: ''یارسول اللہ (ﷺ) یہ تو ہم تک پہنچ گئے۔'' مگر آپ ﷺ بالکل مطمئن ہیں بلکہ صدیق اکبرؓ سے فرما رہے ہیں۔

لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا

ترجمہ: تم غم مت کرو کیوں کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ کے حکم سے غار کے دہانے پر ایک کبوتری نے انڈے دے دیے اور مکڑی نے جالا بن دیا۔ وہ کافر انڈے اور مکڑی کا جالا دیکھ کر کہنے لگے: ''غار کے اندر نہیں ہو سکتے وگرنہ یہ کبوتری کا گھونسلا اور مکڑی کا جالا نہ ہوتا۔''

اَلْمُؤْمِنُ جَلَّ جَلَالُهٗ نے اپنے رسول ﷺ اور ان کے ساتھی کو امن دے کر دکھا دیا کہ امن دینے والی ذات صرف ایک اللہ ہی کی ہے۔

کسی دشمن یا کسی مصیبت کا خوف ہو تو اس وقت سورۂ قریش پڑھیں۔ اس سے اللہ تعالیٰ دشمن اور مصیبت سے امن دیتے ہیں۔

جب ہر طرف خوف اور پریشانی ہو اور بدامنی ہو تو اس کو امن میں تبدیل کرنے کے لیے یہ دُعا مانگنی چاہیے۔

اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِیْ وَ اٰمِنْ رَوْعَاتِیْ

ترجمہ: اے اللہ! میں درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے ہر عیب کی پردہ پوشی فرمائیں اور میرے خوف اور پریشانی کو امن میں تبدیل فرما دیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

معلوماتِ عامہ

- قرآن پاک کی سورة ''عنکبوت'' مکڑی کے نام سے ہے۔
- قرآن پاک میں کل 32267 حروف استعمال ہوئے ہیں۔
- غزواتِ نبوی کی کل تعداد ستائیس ہے۔
- حضرت ادریسؑ کو علم وحکمت کے فن کا بادشاہ کہا جاتا ہے۔
- خطیب الانبیاء حضرت شعیبؑ کا لقب ہے۔
- لفظ شیث کا مطلب ہے عطیہ خداوندی۔
- زینب بنت خزیمہ زوجہ حضرت محمد ﷺ کو ''ام المساکین'' کہا جاتا ہے۔
- نبی ﷺ کی قیادت میں دنیا کا پہلا تحریری وفاقی دستور ایک ہجری سے طے پایا۔
- حضرت ابراہیمؑ کو ذوالمنار کہا جاتا ہے۔
- حضرت علیؓ کو نقیب اسلام کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔
- حضرت عمرؓ نے علم فقہ کی بنیاد رکھی۔ (عاصمہ ہاشمی، فیصل آباد)
- خون ایک دن میں انسانی جسم میں 168 میل گردش کرتا ہے۔
- ٹینس کے کھلاڑی کا دل دوران کھیل 160 مرتبہ فی منٹ دھڑکتا ہے۔
- خون میں 76 فیصد پانی ہوتا ہے۔
- دنیا میں انسان سب سے زیادہ نزلہ زکام کے مرض کا شکار ہوتے ہیں۔
- انسانی جسم میں ہر مربع انچ کے اندر 3500 حساسات ہوتے ہیں۔
- بھارت کو انسانی گردوں کی منڈی کہا جاتا ہے۔
- دل میں سے خون لے کر جانے والی نالی کو شریان کہتے ہیں۔
- سب سے پہلے انسانی گردے کی منتقلی 23 دسمبر 1954ء کو ہوئی۔
- آبادی کے لحاظ سے ایشیاء دنیا کا سب سے بڑا براعظم ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا سمندر بحرالکاہل ہے۔
- پاکستان کی مشہور بندرگاہ ''بن قاسم پورٹ'' بحرعرب کے ساحل پر ہے۔
- دنیا کا سب سے گہراترین سمندر بحرالکاہل ہے۔
- سماٹرا جزیرہ انڈونیشیا میں ہے۔
- ماؤنٹ ایورسٹ کی بلندی 29028 فٹ 1954ء میں تعین کی گئی۔ (فوزیہ احمد، لاہور)
- دنیا کی سب سے بڑی بائیکال (روس) ہے۔
- اینجل نامی آبشار وینزویلا میں واقع ہے۔
- دنیا کا مشہور پل سڈنی ہاربر آسٹریلیا میں واقع ہے۔
- پاکستان ریلوے کی سرنگ کھوجک 2.43 میل طویل ہے۔
- پاکستان کی سب سے خوبصورت اور مشہور جھیل سیف الملوک ہے۔ (سفینہ خان، ملتان)
- صحرائے گوبی براعظم ایشیاء میں واقع ہے۔
- دنیا کا سب سے بڑا صحرا ''صحرائے اعظم'' ہے۔
- منگلا ڈیم پاکستان کے دریا جہلم پر 1967ء میں تعمیر کیا گیا۔
- صحرائے تھر جنوبی ایشیاء کے ملک پاکستان میں واقع ہے۔
- تاج محل آگرہ کی تعمیر تقریباً دس سال میں مکمل ہوئی تھی۔
- مصر میں سب سے بڑا اہرام خوفو کا ہے۔
- امریکہ کا مجسمہ آزادی 12 ایکڑ رقبہ پر پھیلا ہے۔
- ہرن مینار (شیخوپورہ، پاکستان) سکندر معین کی نگرانی میں مکمل ہوا۔
- پیرس کے ایفل ٹاور کی بلندی 1052 فٹ ہے۔
- شاہِ برطانیہ کی رہائش گاہ بکنگھم پیلس لندن میں واقع ہے۔
- ''سرمنڈے بھکشوؤں کا دیس'' جنوبی کوریا کو کہا جاتا ہے۔
- عرب ملک ''بحرین'' کو موتیوں کا جزیرہ کہا جاتا ہے۔
- ایشیاء کا ایک ملک ''لاؤس'' ہاتھیوں کی سرزمین کہلاتا ہے۔
- افریقہ کے ملک سوڈان کو سیاہ فام لوگوں کی سرزمین کہا جاتا ہے۔
- البانیہ براعظم یورپ کا غریب ترین ملک ہے۔
- متحدہ عرب امارات کی سب سے بڑی ریاست ابوظہبی ہے۔
- ملک فرانس کا پرانا نام گال ہے۔ (بشریٰ رانا، راولپنڈی)

WWW.PAKSOCIETY.COM

اے کشمیر

ہے دُعا بچے بچے کے لب پر یہی
ہو گا آزاد کشمیر تو جلد ہی

جھنڈا اسلام کا تجھ پہ لہرائے گا
دیکھنا! ظلم اب سارا مِٹ جائے گا

تیری عزت کے رکھوالے سارے جری
کوہ پیکر ہیں تیرے مجاہد سبھی

ہم ہیں تیرے، ہماری تو جاگیر ہے
تو محبت، صداقت کی تصویر ہے

اہلِ کشمیر ہیں دل سے پیارے ہمیں
اور ہم سب بھی ہیں جاں سے پیارے اُنھیں

تیری کشمیر اللہ حفاظت کرے
تیری عظمت زمانے میں بڑھتی رہے

ضیاء الحسن ضیاؔ

WWW.PAKSOCIETY.COM

دادی اماں تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مشغول تھیں۔ ان کی بہو ثمرین بچے کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی۔ احمد کے ہاتھ میں بستہ تھا۔ ثمرین بہت غصے میں تھی۔ وہ اسکول سے بچے کو لے کر آئی تھی۔ دادی اماں نے اس کی پریشانی اور غصے کی وجہ پوچھی۔

''اماں جان! احمد پڑھائی میں بالکل بھی دلچسپی نہیں لیتا۔ ٹیسٹ میں نمبر بہت کم آئے ہیں۔'' ثمرین نے بتایا۔

''بیٹی بچے کبھی زبردستی نہیں پڑھتے، ان میں کسی چیز کی دلچسپی اور شوق پیدا کیا جاتا ہے۔'' دادی اماں نے جواب دیا۔

''اماں باقی بچے بھی تو ہیں، وہ اچھے نمبر لے کر پاس ہوتے ہیں۔ یہی ایک نکما رہ گیا ہے۔'' ثمرین جھنجھلائی۔

''بیٹی فکر نہ کرو، ایسا کرو آج اسے میرے کمرے میں سونے کے لیے بھیج دینا۔'' دادی نے مصلّٰی تہہ کرتے ہوئے کہا۔

رات کو کھانے سے فارغ ہو کر سب بچے دادی اماں کے گرد جمع ہو گئے۔ بچے شوق سے کہانی سنتے تھے، آج بھی وہ منتظر تھے کہ دادی اماں کہانی سنائیں۔ دادی اماں نے کہا:

''بچو! آج میں آپ کو بچوں کے علمی مشاغل اور جذبے کے متعلق کچھ بتاؤں گی۔

بچو! حضرت امام حسینؓ اپنے بھائی سے ایک سال چھوٹے تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو ان کی عمر اور بھی کم تھی یعنی چھ برس اور چند مہینے کی تھی۔ ان کو بہت سی حدیثیں یاد تھیں۔''

''دادی اماں، اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا کچھ یاد کر لیتے تھے؟'' اسامہ نے پوچھا۔

''ہاں بیٹا! آپ رضی اللہ عنہ بے کار کاموں میں وقت ضائع نہیں کرتے تھے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ بے کار کاموں میں مشغول نہ ہو۔ جو بچے پڑھائی چھوڑ کر بے کار کاموں میں وقت ضائع کرتے ہیں، وہ ہمیشہ ناکام رہتے ہیں۔''

''دادی اماں! احمد ہر وقت کھیل کود میں لگا رہتا ہے۔ پڑھائی پر بالکل دھیان نہیں دیتا۔'' ثوبان نے شکایت کی۔

''اِدھر آؤ احمد! میرے پاس بیٹھو۔'' دادی اماں نے پیار سے احمد کو اپنے قریب بٹھا لیا۔

''دادی جان آگے بھی سنائیے، بہت مزا آ رہا ہے۔'' عبداللہ بولا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

''بچو! حضرت زید بن ثابتؓ جلیل القدر صحابی تھے جو اپنے زمانے کے بہت بڑے عالم اور مفتی تھے۔ جب حضور اقدس ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت یہ کم عمر بچے تھے۔ گیارہ برس کے تھے، اس لیے بدر کی لڑائی میں شریک نہ ہو سکے۔ ہجرت سے پانچ برس پہلے چھ سال کی عمر میں یتیم بھی ہو گئے تھے۔ حضور ﷺ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ پہنچے تو جیسے اور لوگ حاضر خدمت ہو رہے تھے اور حصول برکت کے واسطے بچوں کو بھی ساتھ لا رہے تھے، زید رضی اللہ عنہ بھی خدمت میں حاضر کیے گئے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں جب پیش کیا گیا تو عرض کیا گیا کہ یہ قبیلہ نجار کا ایک لڑکا ہے، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے قبل اس نے سترہ سورتیں قرآن پاک کی حفظ کر لیں۔ حضور ﷺ نے امتحان کے طور پر مجھے پڑھنے کو ارشاد فرمایا۔ میں نے سورۂ ق حضور ﷺ کو سنائی۔ حضور ﷺ کو میرا پڑھنا پسند آیا۔ حضور اقدس ﷺ کو جو خطوط یہود کے پاس بھیجنا ہوتے تھے، وہ یہود ہی لکھتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہود کی جو خط و کتابت ہوتی ہے اس پر مجھ کو اطمینان نہیں کہ گڑ بڑ نہ کر دیتے ہوں، تو یہود کی زبان سیکھ لے۔ زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں پندرہ دن میں اُن کی زبان عبرانی میں کامل ہو گیا تھا۔ اس کے بعد جو تحریر اُن کو جاتی وہ میں ہی لکھتا اور جو تحریر یہود کے پاس سے آتی وہ میں ہی پڑھتا۔ ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بعض لوگوں کو سریانی زبان میں خطوط لکھنا پڑتے ہیں، اس لیے مجھ کو سریانی زبان سیکھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ میں نے سترہ دن میں سریانی زبان سیکھ لی تھی۔''

''دادی جان اتنی چھوٹی سی عمر میں اتنا علم!'' اسامہ بولا۔

''بیٹا! شوق اور جذبہ ہو تو سب کچھ ممکن ہے۔ اب آپ مجھے بتائیں، آپ سات برس کی عمر میں کیا کرتے ہیں۔ کھیل کود، ٹی وی اور کارٹون دیکھتے رہتے ہیں۔ بچپن کا زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ اس زمانے میں یاد کیا ہوا ہمیشہ حافظے میں محفوظ رہتا ہے۔'' دادی جان نے مزید کہا۔

حضرت ابن عباسؓ نے بچپن میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا اور دس برس کی عمر میں اخیر کی منزل بھی پڑھ لی تھی۔ حضرت عمرو بن سلمہؓ نے کفر کی حالت میں قرآن پاک یاد کر لیا تھا۔ کم عمر بچے تھے اور جو بیان کرتے وہ یاد کر لیتے تھے۔ لہٰذا مسلمان ہونے سے پہلے بہت سا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ سب سے زیادہ قرآن یاد تھا کہ جب چھ برس کی عمر تھی تو جب کوئی مجمع یا جنازہ ہوتا تو ان کو ہی امام بنایا جاتا۔ اب مجھے بتاؤ! تمہیں قرآن پاک کی کتنی سورتیں یاد ہیں؟'' دادی اماں نے بچوں کو مخاطب کیا۔

''دادی جان! سب تو نہیں، کچھ کچھ تو ہمیں یاد ہیں۔'' سب بچے یک زبان ہو کر بولے۔

''احمد بیٹا! علم حاصل کرنے کے لیے بہت محنت کرنا پڑتی ہے۔ یہ عظیم لوگوں کے بچپن کے واقعات ہیں۔ آپ بھی لگن اور شوق سے پڑھیں۔''

دادی جان نے پیار سے احمد کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ احمد نے دادی جان سے وعدہ کیا کہ اب وہ محنت اور لگن سے پڑھے گا اور اچھے نمبر لے کر پاس ہو گا۔

''احمد! جب تم پڑھ لکھ جاؤ گے تو کیا کرو گے......؟'' دادی اماں نے پوچھا۔

''دادی جان! دین اور ملک کی خدمت کروں گا۔ اپنا علم دوسروں تک پہنچاؤں گا۔''

''شاباش! اسامہ جاؤ میری الماری میں ایک کتاب پڑی ہے، اٹھا کر لاؤ۔'' اسامہ بھاگ کر کتاب نکال لایا۔

''احمد یہ تمہارے لیے تحفہ ہے کیوں کہ تم نے مجھ سے ایک پکا وعدہ کیا ہے۔ جب یہ کتاب پڑھ لو تو دوسرے بہن بھائیوں کو دے دینا۔''

احمد کتاب کا تحفہ لے کر بہت خوش تھا۔ احمد پر عظیم اور مقدس لوگوں کے بچپن کے علمی جذبے کا ایسا اثر ہوا کہ اس نے دل لگا کر محنت کی اور اچھے نمبروں سے چوتھی جماعت پاس کی۔ سب بہت خوش تھے کہ احمد نے اپنا عہد پورا کر دکھایا تھا۔

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

میری زندگی کے مقاصد

ربیعہ بیگ

میری زندگی کا مقصد بڑے ہو کر انصاف کی کرسی پر بیٹھ کر غریب کو اس کا حق واپس لوٹانا ہے۔

محمد شاس، لاہور

میں فوجی بن کر پاکستان کی حفاظت کرنا چاہتا ہوں۔

محمد فرحان خان، ملتان

میں بڑا ہو کر اپنے ملک پاکستان کا ایک اچھا شہری بنوں گا۔

رہین گل، گوجرانوالہ

عالمہ و فاضلہ بن کر دین اسلام پاکستان کی خواتین تک پہنچاؤں گی۔

محمد جبار الحق، راولپنڈی

میں بڑا ہو کر سائنس دان بن کر نئی چیزیں ایجاد کروں گا۔

صدیقہ ناز، نوشہرہ

میں ڈاکٹر بن کر ملک اور قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

حافظ محمد منشاء، رینالہ خورد

میں انجینئر بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

مریم شہباز، گوجرانوالہ

میں بڑی ہو کر سائنس دان بن کر ملک و قوم کی خدمت کرنا چاہتی ہوں۔

حافظ محمد سلیمان، ڈیرہ اسماعیل خان

میں ڈاکٹر بن کر غریبوں کا مفت علاج کروں گا۔

احمد عزیر، تربیلہ

میں بڑا ہو کر پائلٹ بنوں گا۔

عبدالمعید ہاشمی، لاہور

میں فوج میں کمانڈو بن کر ملک و قوم کی خدمت کروں گا۔

شیریں جمیل، لاہور

میں ٹیچر بن کر ملک سے جہالت دُور کروں گی۔

حسنہ اظہر، سرگودھا

میں پائلٹ بن کر اپنے وطن پاکستان کی حفاظت کروں گی۔

مہمامیز، لاہور

میں شاعرہ بننا چاہتی ہوں تاکہ جوانوں میں اک نئے انقلاب کی تپش پیدا کر سکوں۔

فصیح ریحان، اسلام آباد

میں بڑا ہو کر ائیر فورس میں شامل ہو کر پاکستان کی خدمت کروں گا۔

سردار علی حیدر، ایبٹ آباد

میں بڑا ہو کر پاک آرمی کا جنرل سٹاف بن کر ارضِ پاکستان کی حفاظت کروں گا۔

محمد واصف، بہاول پور

میں بڑا ہو کر آرمی آفیسر بن کر ملک کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔

حافظ ظفر اللہ حیدری، بلوچستان

میں مجاہد بن کر اسلام کی خدمت کروں گا اور اسلام کا نام روشن کروں گا۔

غرہ رضوان، لاہور

میں بڑی ہو کر جج بننا چاہتی ہوں تاکہ لوگوں کو انصاف دے سکوں۔

جویریہ ذوالفقار، لاہور

میں بڑی ہو کر ٹیچر بنوں گی اور علم کی روشنی پھیلاؤں گی۔

معاذ احمد، لاہور

میں بڑا ہو کر ڈاکٹر بنوں گا اور غریب لوگوں کا مفت علاج کروں گا۔

محمد اسامہ اسدی، اسلام آباد

میں پاکستان نیوی میں شامل ہو کر اپنے پیارے وطن کی حفاظت کروں گا۔

طلحہ حسنین بخاری، بھیرووال

مجاہد بن کر کشمیر اور فلسطین آزاد کراؤں گا۔

محمد عدیل جوئیہ، مخدوم پور

میں بڑا ہو کر پائلٹ بننا چاہتا ہوں اور اپنے ملک کا نام روشن کرنا چاہتا ہوں۔

شیبان جیلانی، لاہور

میں انجینئر بنوں گا اور کرکٹ میں بھی نام پیدا کروں گا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

آٹو رکشا

ہماری عام زندگی میں آٹو رکشا کی بڑی اہمیت ہے کیونکہ یہ ہمیں ایک مقام سے دوسرے مقام تک بآسانی لے جاتا ہے۔ یہ تین پہیوں والی سواری افریقہ، سری لنکا، پاکستان، افغانستان اور

بھارت میں عام ہے۔ اندازہ ہے کہ 1948ء میں پہلی بار آٹو رکشا اپنی موجودہ شکل میں سامنے آیا۔ جو بنیادی طور پر ویسپا (Vespa) اسکوٹر کی ایک جدید شکل تھا۔ جاپان میں بننے والے رکشے تھائی لینڈ میں بڑے مقبول ہوئے۔ یہی وجہ ہے کہ رکشہ کا لفظ بنیادی طور پر جاپانی زبان کے لفظ ''Jinrikisha'' سے نکلا ہے جس کا مطلب ''قوت کا پہیہ'' یا ''انسانی قوت کا پہیہ'' ہے۔ رکشا کی باڈی فولادی شیٹ کی بنی ہوتی ہے۔ ڈرائیور کے سامنے شیشہ جبکہ چھت اور دروازے پر کینوس لگا ہوتا ہے۔ اس کیبن نما سواری میں تین مسافر بیک وقت بیٹھ سکتے ہیں۔ افریقہ، نائیجیریا، مصر، انڈونیشیا، بنگلہ دیش، کمبوڈیا، فلسطین (غزہ)، چین، بھارت، نیپال، فلپائن، پاکستان، سری لنکا، تھائی لینڈ، ویت نام، اٹلی، ہالینڈ، سلواڈور، ویسٹ انڈیز، ایکواڈور، پیرو وغیرہ میں مختلف ڈیزائنوں کے رکشے چلتے ہیں۔ پاکستان میں اب سی این جی رکشے چلتے ہیں جن کا ڈیزائن اور ٹیکنالوجی اس طرح سے بنائی گئی ہے کہ ماحولیاتی آلودگی نہ پھیلے۔ اسلام آباد میں رکشا چلانا جرم ہے۔

کلونجی

اس پودے کے بارے میں حدیث نبوی ﷺ ہے کہ موت کے علاوہ ہر مرض کی شفا ہے۔ کلونجی کا سائنسی نام ''Nigella Sativa'' ہے جبکہ اس کا تعلق ''Ranunculaceae'' خاندان سے ہے۔ یہ پودا جنوبی اور جنوب مغربی ایشیاء کا مقامی ہے جو 20 سے 30 سینٹی میٹر (7.9 سے 12 انچ) ہوتا ہے۔ اس کا پھول ہلکا نیلا اور سفید ہوتا ہے جس میں 5 سے 10 تک پتیاں ہوتی ہیں۔ اس کا پھل کیپسول کہلاتا ہے جس میں کئی بیج ہوتے ہیں۔ کلونجی کا شمار بھی مختلف مصالحوں میں ہوتا ہے۔ کلونجی ذائقے میں تیز

ہوتی ہے۔ یہ کنفیکشنری اور خمیر میں بھی استعمال ہوتی ہے۔ قدیم مصریوں نے سب سے پہلے اسے مصالحہ کے طور پر استعمال کرنا شروع کیا۔ اس کے بیجوں سے تیل نکالا جاتا ہے جس میں Nigellon جیسے کیمیائی مادے پائے جاتے ہیں۔ پشاوری نان میں کلونجی بطور تل استعمال ہوتی ہے۔ اس پودے کا تذکرہ مقدس بائبل میں بھی ہے۔ کلونجی میں البیومن اور پروٹین بھی ہوتے ہیں۔ آج کل کلونجی کا تیل بھی ملتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

اونٹ

اونٹ ایک ریگستانی جانور ہے جسے انگلش میں ''Camel'' کہتے ہیں۔ اس کا سائنسی نام ''Camelus'' ہے جبکہ اس کا تعلق دودھ پلانے والے (ممالیہ) جانوروں سے ہے۔ اس جانور کی

خاص پہچان اس کی پشت پر موجود کوھان (Hump) ہے جو ایک یا دو ہوتے ہیں۔ ایک کوھان والا اونٹ مشرق وسطیٰ جبکہ دو کوھان والا اونٹ ایشیا سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ جانور بار برداری، دودھ اور گوشت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ اس جانور کی اوسط عمر 40 سے 50 برس تک ہوتی ہے۔ ایک بالغ اونٹ زمین سے کندھے تک 1.85 میٹر بلند ہوتا ہے جبکہ اس کا کوھان پاؤں سے 2.15 میٹر بلند ہوتا ہے۔ اونٹ 65 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتا ہے۔ کوھان میں چربی ذخیرہ ہوتی ہے جو پانی کی ضرورت ہو تو کیمیائی عمل سے پانی میں تبدیل ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اونٹ بہت دنوں تک بغیر پانی پیے بھی زندہ رہ سکتا ہے۔ دوسروں جانوروں کے برعکس ان کے خون میں سرخ خلیے (RBC) بیضوی شکل کے ہوتے ہیں۔ انہیں پسینہ بھی کم آتا ہے۔ خیال ہے کہ اونٹوں کو 3000 قبل مسیح عرب کے لوگوں نے گھریلو طور پر پالنا شروع کیا۔ ایک بڑے اونٹ کا وزن 300 سے 400 کلوگرام ہوتا ہے جبکہ مادہ کا وزن 650 کلوگرام تک ہو سکتا ہے۔ 2010ء کے سروے کے مطابق دنیا میں 14 ملین سے زیادہ اونٹ ہیں۔

کرین

بھاری وزن اُٹھانے والی مشین کو کرین (Crane) کہا جاتا ہے۔ یہ مشین وزن اُٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کر سکتی ہے۔ یوں اس کی مدد سے افرادی قوت کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے کام لیا جا سکتا ہے۔ دُنیا کی سب سے پہلی کرین قدیم یونانیوں نے ایجاد کی تھی جو مشین کی بجائے انسانوں یا گدھوں کی مدد سے وزن اُٹھانے کا کام کرتی تھی۔ تاہم پلی اور پہیے کی ایجاد نے اس کی شکل اور کارکردگی بدل کر رکھ دی۔ مصر میں اہرام مصر (Pyramids) کی تیاری میں بھی کرین کی مدد لی گئی تھی جو 50 آدمیوں کی مدد سے 2.5 ٹن کا پتھر اُٹھا لیتی تھی۔ اس کے بعد اہل

روم نے کرین بنائی جو 3000 کلوگرام وزن اٹھاتی تھی جبکہ اس کرین پر ایک آدمی درکار ہوتا تھا۔ 18 ویں صدی میں کرینوں کی شکل اور وزن اُٹھانے کی قوت میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ لیور اور پلی کے استعمال نے اہم کردار ادا کیا۔ آج دُنیا میں کئی طرح کی کرینیں استعمال ہوتی ہیں جن میں ہوائی کرین (Aerial Crane) بھی شامل ہے جو ہیلی کاپٹر کی مدد سے وزن اُٹھاتی ہے۔ اس وقت دُنیا کی سب سے بڑی کرین جرمنی میں ہے جو 45 ہزار ٹن وزن اُٹھا سکتی ہے جبکہ چین کی Taisun کرین 20 ہزار ٹن وزن اُٹھا سکتی ہے۔

☆☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

کھیل دس منٹ کا

ل	ط	ب	ی	س	ح	ف	ا	چ	د
ق	س	غ	و	گ	ڈ	ث	ر	ف	ی
ے	ر	ح	م	ا	ن	ص	ش	ی	ز
ٹ	ب	ع	ک	چ	ط	ی	و	ط	ن
ر	ض	م	ق	ی	ت	ر	ق	ل	ا
و	ج	ص	ث	آ	ف	ح	ش	ن	د
ف	ط	س	ا	ب	ز	ی	ل	ق	ج
غ	ش	ث	و	چ	ن	م	گ	ف	ا
ل	ج	ط	ص	م	ی	ر	ک	ٹ	م
خ	ے	ظ	ی	ف	ح	ل	ض	س	ٹ

آپ نے حروف ملا کر اللہ جل و جلالہٗ کے دس مبارک صفاتی نام تلاش کرنے ہیں۔ آپ ان مبارک صفاتی ناموں کو دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں، اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اُوپر تلاش کر سکتے ہیں۔ آپ کے پاس وقت دس منٹ کا ہے۔
جن مبارک صفاتی ناموں کو آپ نے تلاش کرنا ہے وہ یہ ہیں۔

رحمٰن، رحیم، باسط، لطیف، حفیظ، غفور، مقیت، حسیب، کریم، ماجد

WWW.PAKSOCIETY.COM

بچے کی دُعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دُور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہو جائے

ہو مرے دَم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یا رب!
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یا رب!

ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
درد مندوں سے، ضعیفوں سے محبت کرنا

مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

علامہ محمد اقبالؒ

WWW.PAKSOCIETY.COM

چچا تیز گام کے سامنے والے گھر میں ایک نئی فیملی کرائے پر رہنے کے لیے آئی ہے۔ ایک چھوٹی سی فیملی، دو میاں بیوی اور ان کا ایک بیٹا ہے۔ یہ لوگ محلے میں کسی سے ملتے جلتے نہیں، اس لیے چچا تیز گام کو ان کی حرکات وسکنات پر شک رہتا ہے۔ ایک دن چچا تیز گام سے رہا نہیں گیا اور وہ جمن سے تفصیلات پوچھنے لگے:

''ہمارے سامنے والے گھر میں کون سی فیملی رہنے آئی ہے؟'' چچا تیز گام سامنے گھر کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''زیادہ تفصیل تو مجھے بھی معلوم نہیں، بس اتنا معلوم ہے کہ آدمی کا نام اشرف اور ان کے بیٹے کا نام امجد ہے۔'' جمن بولا۔

''انھیں ہمارے محلے میں آئے ہوئے کافی ماہ ہو گئے ہیں، لیکن وہ اڑوس پڑوس میں کسی سے ملنے نہیں جاتے۔'' چچا تیز گام کہنے لگے۔

''ہاں! آپ ٹھیک کہتے ہیں، ابھی کل ہی حکیم فرفران کے گھر کسی کام سے گئے تھے، کافی دیر گھنٹی بجانے کے باوجود دروازے سے کوئی باہر نہیں آیا۔'' استاد نے بتایا۔

ان تینوں کی گفتگو سن کر محمود بھی آ گیا اور بولا:

''ابو ایک مرتبہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ شام کے وقت کرکٹ کھیل رہا تھا، ایک دوست نے زور سے شاٹ لگایا تو گیند ان کی چھت پر چلی گئی، میں نے اپنے دوستوں کے ساتھ جا کر دروازہ کھٹکھٹایا تو ان کا بیٹا امجد باہر آیا۔ اس کا حلیہ عجیب وغریب ہو رہا تھا۔ میں اپنے دوستوں کے ساتھ اس کی چھت پر گیا تو......

......'' محمود کہتے کہتے رک گیا۔

''تو......تو پھر کیا ہوا؟ جلدی بتاؤنا۔'' جمن نے پوچھا۔

''بتا رہا ہوں، تو میں نے دیکھا کہ ایک کمرے کے اندر سے کچھ جلنے کی تیز بو آ رہی ہے، میں نے کمرے کے اندر دیکھنا چاہا تو امجد مجھے گھورنے لگا، میں ڈر کے مارے جلدی سے گیند لے کر واپس آ گیا۔''

''اس کا مطلب ہے کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔'' استاد جذباتی انداز میں بولے۔

''کیا کہا دال میں کالا...... ارے تم تو ساری دال ہی کالی پکاتے ہو۔'' جمن نے استاد سے کہا۔

''اب تو میرا شک یقین میں بدلتا جا رہا ہے، جمن تم ایسا کرو

WWW.PAKSOCIETY.COM

جلدی سے پہلوان، حکیم فرفر اور ڈاکٹر شعلہ کو بلاؤ، اس سے پہلے کہ پانی سر سے گزر جائے ہم سب کو اس گھر والوں کے بارے میں کچھ کرنا چاہیے۔'' چچا تیز گام مہمانہ انداز میں بولے۔

اگلے دن سب لوگ چچا کے گھر پر جمع ہو گئے۔ سب حیران و پریشان تھے کہ چچا تیز گام نے اتنی عجلت میں کیوں بلوایا ہے۔ سب ڈرائنگ روم میں صوفوں پر بیٹھ کر چہ مہ گوئیاں کر رہے تھے۔ چچا کسی گہری سوچ میں گم تھے اور ہاتھ اپنی کمر پر باندھے کمرے میں تیز تیز ٹہل رہے تھے۔ پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے چچا نے کہا:

''تم لوگوں کو میں نے ایک بہت اہم مشن کے لیے بلوایا ہے۔''

''کس مشن کے لیے ......؟'' پہلوان اور ڈاکٹر شعلہ یک زبان ہو کر بولے۔

''کیا کوئی کھانے پینے کا مشن ہے؟'' پہلوان نے پوچھا۔

''تمھیں تو ہر وقت کھانے پینے کی سوجھتی رہتی ہے، مجھے لگتا ہے کہ چچا ڈینگی مچھروں کے خلاف مشن بنا رہے ہیں۔'' ڈاکٹر شعلہ کہنے لگے۔

اب تک سب لوگ چچا تیز گام کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے کہ بیٹھے بٹھائے چچا تیز گام کو کیا ہو گیا کہ ان پر مشن کا بھوت سوار ہو گیا؟

''تم سب میری بات غور سے سنو ...... اور دیکھو یہ بات راز میں رہے، ہمارے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہو ...... اگر یہ بات کسی کو معلوم ہو گئی تو ہمارا مشن ناکام ہو جائے گا۔'' چچا تیز گام آہستہ آواز میں بولے۔

''ہمارے سامنے والے گھر میں ایک فیملی رہ رہی ہے، مجھے ان کی سرگرمیوں پر شک ہے، ہو نا ہو! وہ دشمن ملک کے ایجنٹ ہوں اور ہمارے ملک کو نقصان پہنچانے کے لیے آئے ہوں۔'' چچا تیز گام جاسوسی انداز میں بولتے جا رہے تھے۔

''کیا اب آپ جاسوسی کریں گے؟'' حکیم فرفر حیران تھے۔

''یہ تو بہت خطرناک کام ہے، اگر وہ واقعی ملک دشمن ہوئے تو ان کے ساتھ پورا گروپ ہوگا اور ان کے پاس خطرناک ہتھیار بھی ہوں گے۔'' ڈاکٹر شعلہ گھبرا رہے تھے۔

''ہاں، اب ہم جاسوسی کریں گے، اپنے ملک کی حفاظت کے لیے ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں، اپنی جان بھی گنوا سکتے تھے۔'' چچا تیز گام پُرعزم لہجے میں بولے۔

''چچا آپ ٹھیک کہتے ہیں، آپ اپنی جان ویسی بھی گنوا ہی رہے ہیں، ملک کی خاطر گنوا دیں گے تو آپ کو چچا تیز گام کے بجائے چچا پاکستان کا لقب مل جائے گا۔'' استاد نے کہا۔

''چچا یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہاں جن بھوت رہتے ہوں۔'' جمن نے کہا۔

''تمھارے ہوتے ہوئے کسی جن بھوت کی ضرورت نہیں، اگر وہاں جن ہوتے تو تمھیں دیکھ کر کوسوں دور بھاگ جاتے۔'' استاد بولے۔

چچا تیز گام اس فیملی کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ چچا نے سب کو اپنا مشن بتا دیا اور جاسوسی کا پروگرام طے کر لیا، جس کے مطابق رات عشاء کی نماز کے بعد اس گھر کی جانب آہستہ آہستہ جا کر چاروں طرف سے گھیرنا ہے اور جب چچا سیٹی بجائیں گے تو سب اس گھر پر دھاوا بول کر اندر داخل ہو جائیں گے۔ سب کو رسی، ٹارچ، پانی کا تھرماس اور کپڑا ساتھ لانے کا حکم چچا نے دے دیا۔

پروگرام کے مطابق چچا تیز گام، جمن، استاد، ڈاکٹر شعلہ، محمود اور حکیم فرفر نمازِ عشاء کے بعد مسجد سے باہر آئے اور آنکھوں ہی آنکھوں میں ایک دوسرے کو تیار رہنے کا اشارہ کیا۔ محمود کو چھوٹا بچہ ہونے کی بناء پر اور کسی خطرے کے پیشِ نظر گھر بھیج دیا اور سمجھایا کہ اگر رات گیارہ بجے تک ہم واپس نہ آئیں تو تم پولیس لے کر وہاں آ جانا۔ یعنی یہ مشن پورے دو گھنٹے میں مکمل کرنا تھا۔

جب لوگ عشاء کی نماز کے بعد اپنے گھروں کی طرف جانے لگے اور گلی میں سناٹا ہونے لگا تو چچا نے جمن کو دائیں طرف جانے کا اشارہ کیا، استاد کو بائیں طرف، ڈاکٹر شعلہ اور حکیم فرفر کو پیچھے کی طرف سے آ کر حملہ کرنا تھا، جب کہ چچا تیز گام نے اپنے لیے سب سے مشکل آگے کی طرف کا راستہ منتخب کیا۔

ابھی سب اپنی اپنی جگہوں پر پہنچے ہی تھے کہ گلی کے کتوں کی زور زور سے بھونکنے کی آواز آئی۔ ڈاکٹر شعلہ ڈر کر کہنے لگے:

''حکیم فرفر، مجھے ایک بہت ضروری کام یاد آ گیا ہے، میں وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

''تم جو کوئی بھی ہو، اس وقت ہمارے گھر کی دیوار کے پیچھے کیا کر رہے ہو؟''

''مجھے چچا تیز گام نے بائیں طرف سے آپ کے گھر میں دیوار پھلانگ کر کودنے کا حکم دیا ہے۔'' استاد نے گھبراہٹ میں سب کچھ اُگل دیا۔

''اچھا تو یہ بات ہے، اب میں سمجھا، لیکن ہماری دیوار پر تو لوہے کی خار دار تار لگی ہوئی ہے، تم ایسا کرو پہلے کسی سیڑھی کا بندوبست کرو، پھر دیوار کود کر اندر آنا۔'' اُس آدمی نے استاد کو اچھا مشورہ دیا۔ استاد نے فرار ہونے کا یہ موقع اچھا جانا اور سیڑھی لینے کا کہہ کر اُلٹے پاؤں وہاں سے بھاگ گئے۔

ڈاکٹر شعلہ اور حکیم فرفر آہستہ آہستہ گھر کے پیچھے کی جانب بڑھ رہے تھے۔ حکیم آگے چل رہے تھے اور ڈاکٹر شعلہ ان کے پیچھے تھے۔ حکیم نے پیچھے مڑ کر ڈاکٹر سے پوچھا:

''ہم کتنے ساتھی ہیں؟''

''تمھیں کیا ہوگیا، ہم دو ہیں۔'' ڈاکٹر شعلہ ڈانٹنے لگے۔

''تو پھر ہمارے پیچھے دو دوسرے لوگ کون ہیں؟''

''کیا...... دوسرے لوگ؟'' ڈاکٹر شعلہ کی چیخ نکل گئی اور وہ حکیم فرفر کے قریب آ گئے۔

حکیم فرفر اور ڈاکٹر شعلہ اپنے ہی سائے سے ڈر رہے تھے۔ ان کی چیخ کی آواز سے گھر کا آدمی ہوشیار ہو گیا اور اس نے چپکے سے گھر کا پچھلا دروازہ کھول دیا اور دروازہ کے پیچھے ایک بڑا سا ڈنڈا ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا، تاکہ وہ حکیم اور ڈاکٹر پر حملہ کر دے۔

''چپ کرو، شور کیوں کر رہے ہو؟ اس طرح جاسوسی نہیں کرتے، بلکہ جاسوس تو خاموشی سے اپنا کام کرتے ہیں۔'' حکیم نے ڈاکٹر شعلہ کو چپ کرایا۔

حکیم فرفر کی نگاہ کھلے ہوئے دروازے پر پڑی۔ حکیم نے کہا:

''جلدی کرو، لگتا ہے کہ ملک دشمن ابھی گھر میں داخل ہوا ہے

کر کے آتا ہوں۔'' ڈاکٹر شعلہ اپنا خوف چھپانے کی کوشش کر رہے تھے، لیکن حکیم فرفر نے انھیں پکڑے رکھا اور واپس جانے نہیں دیا۔

ادھر جمن دائیں طرف جا رہے تھے کہ اندھیرے میں انھیں بجلی کا کھمبا نظر نہیں آیا، جس سے ٹکرا کر گر گئے اور بے ہوش ہو گئے۔

استاد کو بائیں طرف سے جانا تھا۔ بائیں طرف کی دیوار پر لوہے کی خاردار تار لگی ہوئی تھی۔ استاد نے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کی، لیکن ہر مرتبہ ناکام ہو گئے۔ جس گھر پر وہ حملہ کرنا چاہتے تھے، وہاں سے ایک مردانہ لہجے میں سخت آواز آئی:

''کون ہے؟''

''جی......جی......جی، مم......مم، میں ہوں، استاد۔'' سخت آواز سن کر استاد کو پسینے آ گئے۔

''استاد، کون استاد؟'' آواز مزید سخت ہو گئی۔

''اس...... استا......استاد کو آپ نہیں جانتے؟'' استاد کی زبان لڑکھڑانے لگی۔

''کیا تم میرے بچے کے اسکول کے استاد ہو؟''

''نہیں میں ...... وہ چچا تیز......تیز'' استاد گھبراہٹ میں چچا تیز گام کا نام ہی بھول گئے۔

اور دروازہ بند کرنا بھول گیا ہے، اپنے منہ پر کپڑا باندھ لو اور رسی ہاتھ میں لے لو۔"

اُدھر وہ آدمی دروازے کے پیچھے کھڑا ان کی گفتگو سن رہا تھا اور دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا کہ جیسے ہی یہ لوگ اندر آئیں گے وہ انھیں کسی گیند کی طرح زوردار ہٹ لگائے گا۔

"ذرا ٹھہرو ......!" ڈاکٹر نے حکیم فرفر کو روک دیا۔ حکیم دروازے میں داخل ہونے سے صرف ایک قدم پہلے رُک گئے۔

"تمھیں یاد ہے چچا تیز گام نے کہا تھا جب میں سیٹی بجاؤں تب حملہ کرنا ہے۔"

"ہاں مجھے یاد ہے، تو اب ہم کیا کریں؟"

"ہم یہیں بیٹھ کر سیٹی کی آواز کا انتظار کرتے ہیں، جب سیٹی بجے گی اسی وقت ہم اندر جائیں گے، ورنہ چچا ہم پر بہت ناراض ہوں گے۔" اس بات پر دونوں وہیں دروازہ کے پاس بیٹھ کر تھرماس سے پانی پینے لگے اور ایک دوسرے کو مزاحیہ لطیفے سنا کر سیٹی کی آواز کا انتظار کرنے لگے۔

اب چچا تیز گام اکیلے رہ گئے، چچا کا قد پانچ فٹ کا، جب کہ دروازہ آٹھ فٹ کا تھا، چچا نے بچپن میں کافی دیواریں پھلانگیں تھیں، لیکن اب عمر زیادہ ہوگئی تھی۔ اس لیے وہ دس قدم پیچھے ہٹے، کسی بولر کی طرح تیز بھاگتے ہوئے آئے اور دروازے پر ایسے چپک گئے جیسے چھپکلی دیوار پر چپکتی ہے۔ انھوں نے اوپر چڑھنے کی بہت کوشش کی، لیکن دروازہ اونچا تھا، وہ ترازو کے دو پلڑوں کی طرح آدھا باہر لٹک گئے۔ اگر اسکول کے بچے یہاں ہوتے تو سمجھتے کہ چچا کوئی کرتب دکھا رہے ہیں۔ ان کی حالت بالکل ایسی ہوگئی تھی، کبھی لگتا کہ اندر گریں گے، کبھی لگتا کہ باہر لڑھک جائیں گے۔ اسی اثناء میں انھیں اپنے پاؤں کی نیچے ایک موٹی بلی نظر آئی، اس کی چمکتی ہوئی کالی آنکھوں کے خوف سے چچا فوراً گھر کے اندر کی طرف کود گئے۔

تھوڑی دیر سانس بحال کر کے انھوں نے اپنی جیب سے سیٹی نکال کر بجانی چاہی، کئی مرتبہ کوشش کے باوجود وہ سیٹی نہیں بجی، اب ان کی اپنی سِٹی گم گئی۔ وہ پریشان ہوگئے کہ ساتھیوں کو کیسے بلائیں؟ انھوں نے اپنی رہی سہی ہمت جمع کی کہ اب انھیں اکیلے ہی دشمن کا صفایا کرنا ہے۔ اس عزم سے انھوں نے اپنے بیگ سے ٹارچ نکال کر گھر کا مشاہدہ کیا۔ تمام کمروں کی لائٹیں بند تھیں، صرف ایک کمرے سے دھیمی سی روشنی نظر آ رہی تھی۔

ابھی وہ اس کمرے کے اندر دیکھ ہی رہے تھے کہ ان کے کندھے پر کسی نے مضبوطی سے ہاتھ رکھا۔ چچا ایک دم گھبرا گئے اور پیچھے دیکھے بغیر تیزی سے بھاگنے لگے۔ وہ آدمی کافی طاقت ور تھا، اس نے چچا کا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔ چچا تیز گام پریشانی میں کہنے لگے:

"چھوڑ دو، مجھے چھوڑ دو ...... میری توبہ، جو آئندہ کسی کی جاسوسی کی۔" چچا سمجھے شاید کسی خطرناک بھوت نے انھیں پکڑ لیا ہے۔

"گھبراؤ نہیں، آنکھیں کھولو اور میری طرف دیکھو۔ میں تمھیں کچھ نہیں کہوں گا۔" اس آدمی نے نرمی سے کہا۔

چچا تیز گام نے آہستہ سے آنکھیں اس طرح کھولیں، جیسے کوئی چھوٹا بچہ سو کر اُٹھنے پر اپنی

WWW.PAKSOCIETY.COM

آنکھیں منہ بناتے ہوئے کھولتا ہے۔

جب چچا کا خوف کچھ کم ہوا تو وہ آدمی گویا ہوا:

''میرا نام اشرف ہے، آپ کا کیا نام ہے؟''

''میرا نام پہلے تو چچا تیزگام تھا، لیکن آپ کو پولیس سے پکڑوانے میں کام یاب ہوگیا تو چچا جاسوس کہلاؤں گا۔'' چچا کو پھر سے جاسوسی یاد آ گئی۔

''آپ مجھے پولیس سے کیوں پکڑوانا چاہتے ہیں؟ اور پولیس مجھے نہیں، آپ کو پکڑے گی کیوں کہ آپ چوروں کی طرح میرے گھر میں داخل ہوئے ہیں۔''

''اچھا، اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے، پولیس ابھی آتی ہی ہو گی، میں پولیس کو بتاؤں گا کہ آپ ملک دشمن ہیں اور اپنے گھر میں مشکوک سرگرمیاں کرتے ہیں۔'' چچا تیزگام کا خوف جاتا رہا۔

''اوہ......! میرے اللہ اب میں سمجھا کہ آپ اور آپ کے عجیب وغریب ساتھی دائیں، بائیں اور پیچھے کی طرف سے میرے گھر میں کیوں آ رہے تھے۔''

یہ کہہ کر اشرف، چچا تیزگام کو اپنے گھر کے اندر لے گیا اور انھیں حقیقت بتاتے ہوئے کہنے لگا:

''میں دن کے وقت ایک فیکٹری میں کام کرتا ہوں اور رات کے وقت اپنی بیوی اور بچے امجد کے ساتھ بھٹی میں مونگ پھلیاں بھونتا ہوں، تاکہ بیوی اور بچے کا گزر بسر اچھی طرح ہو سکے۔ محلے والوں کو اعتراض نہ ہو، اس لیے یہ کام رات کے وقت مجبوری میں کرتا ہوں۔''

چچا کو جب ساری صورت حال معلوم ہوگئی تو شرمندہ ہوئے اور اشرف سے معافی مانگ کر اپنے گھر واپس آ گئے۔

اگلے دن جب سب لوگ چچا تیزگام کے گھر آئے۔ جمن نے سر پر کھمبے سے ٹکرانے کی وجہ سے پٹی باندھی ہوئی تھی۔ چچا نے کل رات کی پوری صورت حال سب کو بتا دی۔ سب ساتھیوں کو افسوس ہوا، وہ ایک شریف آدمی اشرف کو کیا سمجھ بیٹھے تھے۔

حکیم فرفر نے چچا سے پوچھا: ''کل رات ہم سب آپ کی سیٹی کی آواز کا انتظار کرتے رہے اور صبح تک دیوار کے پاس بیٹھے رہے، آخر آپ نے سیٹی کیوں نہیں بجائی؟''

چچا تیزگام نے اس بات کا جواب دینے کے لیے ابھی منہ کھولا ہی تھا کہ محمود سیٹی بجاتا ہوا کمرے میں آیا اور کہنے لگا:

''ابا جان! کل آپ بچوں کی سیٹی لے گئے تھے، اصلی سیٹی تو میرے پاس ہے۔''

محمود سے یہ سننا ہی تھا کہ چچا تیزگام، محمود کی پٹائی کرنے کے لیے دوڑے اور حکیم فرفر چچا تیزگام کو روکنے کے لیے لپکے۔

☆☆☆

انمول باتیں

- ☆ دنیا عاقل کی موت پر اور جاہل کی زندگی پر ہمیشہ آنسو بہاتی ہے۔
- ☆ اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال کھینچ سکتی ہیں۔
- ☆ جب تم کسی پر احسان کرو تو اسے چھپاؤ اور اگر کوئی تم پر کرے تو اسے پھیلاؤ۔
- ☆ وہ دل جس میں خلوص کا مقدس جذبہ نہ ہو، اس صدف کی مانند ہے جس میں موتی نہ ہو۔
- ☆ جس کا ارادہ مستحکم اور اٹل ہے، وہ دنیا کو اپنے سانچے میں ڈھال سکتا ہے۔
- ☆ مفلسی شرم نہیں ہے، لیکن مفلسی کی وجہ سے شرم سار ہونا شرم کی بات ہے۔
- ☆ امید زندگی کا مفکر ہے، اس کا سہارا چھوڑ دینے سے انسانی کشتی گہرے پانیوں میں ڈوب جاتی ہے۔
- ☆ جو تیرے سامنے اوروں کی برائی کرتا ہے، وہ اوروں کے سامنے تیری بھی برائی کرتا ہے۔
- ☆ خوش مزاجی ہمیشہ خوب صورتی کی کمی کو پورا کر دیتی ہے، لیکن خوب صورتی خوش مزاجی کی کمی کو پورا نہیں کر سکتی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

بقول ابا! ''سعد میاں سردیوں میں سُرخ سوئٹر، ٹوپے، جاگرز میں کسی اور ہی سیارے کی حسین مخلوق لگا کرتے ہیں اور حسن کی مارکیٹ ویلیو ڈاؤن کر دیتے ہیں!'' یہ بات حسن اور سعد میاں کے تو سروں سے گزر جاتی لیکن ابا سمیت گھر بھر کے تمام افراد اس بات سے خوب مزے لیتے اور نتیجتاً پیار حسن میاں اور سعد میاں، دونوں ہی کو ملتا۔ اب چونکہ سعد میاں بھی ہوشیار ہونے کی کوششوں میں مصروف تھے تو اِن دونوں کا پسندیدہ موضوع تھا ''میجک، جادو، اَنتر، مَنتر، چُھو، گلنتر!'' کوئی بھولا بھٹکا مہمان آ جائے بس اُس کی خیر نہ ہوتی، سعد میاں باورچی خانے یا فریج میں سے کوئی نہ کوئی لیموں (نیبو) لے آتے اور اسے مہمانوں کے سامنے ان کی نظروں سے غائب کرنے کی اداکاری کر کے بہت خوش ہوتے۔

اُس روز شاید سعد میاں کی ''جادوئی قسمت'' نے وفا نہ کی۔ ہوا یوں کہ سردیوں کی ایک شام ابا مقامی کالج میں پڑھا کر آئے۔ وہ بُری طرح تھک چکے تھے۔ حسن اور سعد نے اُن کو دیکھ کر ادب سے سلام کیا اور حسن ہاتھ دھو کر ان کے لیے پانی لانے چلے گئے۔ سعد میاں سمجھ چکے تھے کہ ابا تھکے ہوئے ہیں اور اس وقت اُن کے لیے ''میجک یعنی جادو'' سے بہتر کوئی چیز تو ہو ہی نہیں سکتی جو اُن کی تھکن اُتار سکے۔ چنانچہ فوراً سبزیوں کی ٹوکری سے ایک ننھا سا لیموں (نیبو) لے آئے اور اُسے اپنی ننھی سی مٹھی میں دبا کر ابا کو دکھایا: ''ابا! دیکھیں میلو!!!''

ابا چونکے: ''میلو؟؟؟''

''ہاں ابا، میلو!'' سعد میاں خوب ہنسے، غالباً انہوں نے لفظ ''لیموں'' کو اپنے ''توتلائی اِملے'' کی آسان ادائیگی کے لیے ''میلو'' کر لیا تھا۔ ابا کا ابھی زار زار ہنسنے کا کوئی پروگرام نہ تھا، اس لیے کہا: ''تو ہو گا، ہم کیا کریں!''

سعد میاں کی مسکراہٹ میں کوئی کمی نہ آئی، بولے:

''ابا میجک، میلو غائب، وہاں!'' (یعنی ابا اب میں جادو دکھاؤں گا، میلو کو وہاں دُور غائب کر دوں گا)۔ اتنا کہہ کر سعد میاں نے لیموں اپنی دوسری مٹھی میں دابا اور پہلی خالی مٹھی ابا کے سامنے کر دی۔

''ابا جی میلو نہیں!'' (ابا یہ دیکھیں لیموں نہیں ہے)۔

اب تو ابا چونکے اور غور سے سعد میاں کو دیکھا جو خوب خوش ہو رہے تھے۔ اس کے بعد سعد میاں نے لیموں اپنی پہلی مٹھی میں چھپا کر ہاتھ پیچھے کر لیا اور دوسرا ہاتھ سامنے کھولا اور خالی ہاتھ داد

WWW.PAKSOCIETY.COM

طلب نظروں سے ابا کو دکھایا۔ اب تو ابا کو خوب مزا آیا۔ سوچ کر بولے:

''ہر چند اسلام میں جادو ٹونا بہت سخت گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناپسند بھی ہے لیکن کیا کریں کہ ہمیں تو اس سے بھی بڑا والا میجک آتا ہے۔ جاؤ ایک ٹماٹر لے کر آؤ۔ صاف ستھرا، دُھلا دُھلایا، اُسے کوئی گندا مندا نہ کرے اور رکابی (پلیٹ) میں رکھ کر لائے، پھر ہم بتا دیں گے تم لوگوں کا یہ میجک ویجک کیا ہوتا ہے۔ ہاہاہاہا...... ٹھا ٹھا ٹھا ٹھا...... ہوہو ہوہو...... ہی ہی ہی ہی...... خی خی خی خی......!!!''

حسن میاں آ چکے تھے اور پوری بات بھی سُن چکے تھے، پانی کا گلاس ابا کو دے کر وہی پلیٹ لے کر بھاگے اور ماما سے دو تین ٹماٹر لے کر آ گئے۔ تینوں ٹماٹر سائز میں ایک دوسرے سے مختلف تھے، کوئی چھوٹا تو کوئی بڑا اور کوئی بہت ہی بڑا۔ اب تو سعد اور حسن میاں کے مزے آ گئے۔

''ابا جی والا میجک!'' سعد میاں نے لپک کر ایک بڑا سا ٹماٹر اپنی مٹھیوں میں جکڑنے کی کوشش کی۔ ابا نے کہا:

''بھئی ہم ہاتھ سے تو جادو کرتے نہیں ہیں، تم لوگ کسی طرح یہ ٹماٹر ہمارے منہ میں فِٹ کر دو، پھر دیکھو جادو!'' اتنا کہہ کر ابا نے اپنا منہ کھول دیا۔

''پھاہ ہ ہ......'' اب تو حسن اور نوید ہنسے اور سعد میاں نے ایک ننھا سا سُرخ رنگ کا پکا ہوا ٹماٹر ابا میاں کے منہ کے اوپر رکھ دیا۔ سردیوں کی وجہ سے ٹماٹر اچھے کڑک کڑک، سُرخ سُرخ آئے تھے اور ابا کتنے ہی دن سے حسن اور سعد سے کہہ رہے تھے کہ تم لوگ دوپہر کے کھانے میں کچے ٹماٹر ماما سے کٹوا کر نمک اور پسی ہوئی کالی مرچ چھڑک کر کھایا کرو، اس سے گورے چٹے، سرخ سفید ہو جاؤ گے مگر اماں کہا کرتیں کہ کوئی ضرورت نہیں ہے، میرے شاہ زادے اسی طرح سے گورے چٹے ہیں۔ سعد میاں ٹماٹر ابا کے منہ کے اوپر رکھ کر، ڈر کر دُور جا کھڑے ہوئے اور اب کسی تماشے کے منتظر تھے۔ ابا نے اپنا منہ آسمان کی جانب اُٹھایا ہوا تھا اور ٹماٹر آدھا اُن کے منہ میں اور آدھا باہر حسن اور سعد میاں کے سامنے تھا۔ ابا نے اپنے ہاتھ کسی جادوگر کی طرح خوب فضا میں اِدھر اُدھر چلائے اور یک دم لپک کر ٹماٹر نگل لیا اور پلک جھپکتے میں کھا لیا......

اوہو کمال ہو گیا، بھئی واہ، مزا آ گیا...... سعد اور حسن میاں تو خوشی سے اُچھلنے لگے اور خوب تالیاں بجائیں۔ اوہو! ابا نے کمال کر دیا تھا۔

''ابا ایک اور، میں بھی کروں گا پھر میجک!'' حسن میاں نے ہنستے ہوئے التجا کی۔ ابا نے کچھ سمجھانا چاہا مگر ابھی وقت نہیں آیا تھا،

لہٰذا کچھ سوچ کر خاموش ہو گئے اور منہ کھولتے ہوئے کہا:

''چلو بھئی، اب کون آئے گا ٹماٹر رکھنے؟'' حسن اور سعد میاں دونوں کی بھرپور کوشش تھی کہ یہ ''سعادت'' اُن کے حصہ میں آئے لیکن چونکہ سعد میاں پہلے ٹماٹر رکھ چکے تھے، چنانچہ قرعہ حسن میاں کے نام کھلا اور حسن میاں نے ہنستے ہوئے خوب بڑا سا ٹماٹر ابا کے کھلے ہوئے منہ کے اوپر رکھ دیا۔ حسن میاں نے دیکھا کہ بوڑھا ہو جانے کے باوجود ابا کے سارے دانت ٹھیک تھے، کوئی بھی نہیں ٹوٹا تھا اور سارے کے سارے دانت صاف ستھرے چمکتے ہوئے تھے اور ابا کے منہ سے بدبو بھی نہیں آ رہی تھی۔ حسن کو اپنے ابا بہت ہی اچھے لگے اور خود اُن کے اور سعد کے دانت بھی تو صاف ستھرے تھے نا۔ اچانک حسن میاں اُچھلتے ہوئے ابا کے پاس آئے اور بولے:

WWW.PAKSOCIETY.COM

"ابا...... ابا، آپ بندوق کی طرح فائر کریں نا ٹماٹر سے، ٹھاہ کر کے تو جھوٹ موٹ کا ٹماٹر والا خون نکلے گا۔ یو(جو)...... یو (جو)...... وہ ٹی وی پر دکھا رہے تھے نا کہ بم پھٹ گیا!" ابا نے ایک نظر اپنے روشن مستقبل پوتے کو دیکھا اور بڑے افسوس ناک لہجے میں خود سے کہا:

"افسوس یہ قوم ننھے کچے ذہنوں کو کیا تعلیم دے رہی ہے، ہمارا ٹی وی اور اخبار، تمام میڈیا، ننھے ذہنوں کی کیسی تربیت کر رہا ہے؟ یہ کیسا دور ہے کہ بچے قلم کتابوں سے دُور اور اسلحہ سے کھیلنا پسند کر رہے ہیں، اُن کی نفسیات میں یہ انتہائی گندی چیز اچھی بن کر سما گئی ہے، توبہ ہے الٰہی توبہ...... توبہ!!!" بے خیالی میں ابا نے زور زور سے توبہ کی تو حسن میاں سہم گئے کہ یقیناً انہوں نے غلط بات کی ہے۔ انہیں پتا تھا کہ ابا کو گولی، گالی اور بندوق کس قدر ناپسند ہے اور ابا کہتے ہیں دنیا کی سب سے بُری ایجاد بندوق اور موبائل فون ہے، اگر ان کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو۔ میں نے ابا کو ناراض کر دیا، یہ سوچ کر حسن میاں اُداس ہونے لگے کہ ابا نے معاملہ بھانپ لیا اور کہا:

"لو بھئی گولی اور فائرنگ کی باتیں تو چھوڑو، اللہ ہم سب کو نئے سال میں اور آنے والے ہر سال میں ان بلاؤں سے محفوظ و دُور رکھے، آمین! ٹماٹر کا کھیل دیکھو!" اتنا کہہ کر ابا ذرا خاموش ہوئے، حسن اور سعد میاں نے اُن کے منہ کے اوپر ٹماٹر دیکھنا چاہا مگر یہ کیا؟ اوہو!!! ابا میاں وہ بڑا سا سالم سموچا ٹماٹر بھی نگل چکے تھے، ارے واہ، کمال ہو گیا، یہ تو جادو ہو گیا، اے ون میجک ہو گیا، مگر ابا تو کہتے ہیں کہ جادو اسلام میں گناہ ہے، گندی بات ہے، اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں۔ پھر، پھر ابا نے یہ جادو کہاں سے سیکھا...... ارے کمال ہو گیا، غضب ہو گیا۔ ابا بیٹھے بٹھائے دو سالم سموچے ٹماٹر غائب کر چکے تھے، ایک سعد میاں اور دوسرا حسن دھو دُھلا کر لائے تھے۔ افوہ!!! اب تو اماں، ماما اور بابا کے لیے گرما گرم رپورٹ تیار کرنا تھی۔ سعد تو قہقہے لگا رہے تھے لیکن حسن میاں کو ایک بات سوجھی، وہ ابا کی جانب بڑھے۔ ابا میاں پہلے ہی کسی گہری سوچ میں گم تھے۔ محمد حسن اور نوید میاں ڈر گئے کہ کہیں ابا کی شوگر کم نہ ہو رہی ہو۔ کل سے کم نہیں ہو رہی تھی نا! یہ سوچ کر ابا کی طرف بڑھتے ہوئے حسن بولے:

"ابا آپ کیا سوش (سوچ) رہے ہیں؟"

ابا (چونکتے ہوئے): "آں...... ہاں...... کک...... کچھ نہیں...... ہاں ہاں...... یہ سوچ رہا ہوں کہ ابھی جو مزے دار واقعہ ہوا ہے اور جو تم جا کر اپنے بابا، ماما اور اماں کو سناؤ گے اور میں تمہارے پسندیدہ ترین رسالے میں اسے کس نام سے لکھوں اور اس میں بچوں کو کیا سبق دوں؟ مجھے تو اس بے کار سے واقعہ میں کوئی سبق ڈھونڈے نہیں ملتا۔ یہی سوچ رہا ہوں...... اور تم تو جانتے ہو کہ فکر سے میری شوگر......" اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوئے لیکن سعد میاں اور حسن میاں اُچھل پڑے کہ اب پھر ابا کی ڈاڑھی چھپے گی۔

"اوہو......" اچانک حسن بلبلا کر بولے: "نئیں نئیں (نہیں نہیں) ابا...... یہ...... یہ تو بہت مزے کا ہوا ہے ابھی نا...... آپ اس کا نام تعلیم و تربیت میں میلو کا جادو رکھ دیں اور یو یو (جو جو) بابا بھی لاتے ہیں، ہمارے اسکول کی لائبریری میں بھی آتا ہے نا، وہ والا، اس میں میلو کا جادو لکھ دیں اور سارے بچوں کو سبق دیں کہ جادو گندی چیز ہے، لیکن ٹماٹر غائب کرنے والا اچھا ہے۔ اس سے تو اچھا ہے کہ ہم ٹماٹر دھو دھو کر، کاٹ کاٹ کر نمک، کالی مرچ لگا کر کھائیں، تا کہ ہم لوگ گورے گورے ہو جائیں اور خوب خون بن جائے...... آپ بچوں کو یہ سبق بھی دے دیں کہ بچے صرف گوشت نہیں کھایا کریں، سبزی، ٹماٹر اور آلو بھی کھایا کریں اور سعد بھی قیمہ آلو کھایا کرے...... ابا......!!!"

ابھی حسن میاں فرار ہونے کا سوچ ہی رہے تھے اور ان کی تجاویز اور فرمائشوں کا سلسلہ جاری تھا کہ اچانک فائرنگ شروع ہو گئی۔

"ٹھا ٹھا ٹھا ٹھا...... ہاہاہا...... ہی ہی ہی...... خی خی خی...... ہو ہو ہو...... ہاہاہا...... !!!" ارے بھئی بچو! شاید ابا کو محمد حسن اور نوید میاں کی باتیں اچھی لگ چکی ہیں کیونکہ قہقہوں کی فائرنگ نئے سال کی خوشی میں شروع ہو چکی ہے۔ ہم بھی بھاگنے کی سوچ رہے ہیں کہ ابا کی قہقہی گولی ہمیں بھی گدگدی نہ کرے، جاتے جاتے ایک بات اور کہ ہم مسلمانوں کا نیا سال تو پچھلے ماہ "محرم الحرام" سے شروع ہو چکا ہے، ہے نا!!! تو بس "ہیپی نیو ایئر!!!" سالنامہ بھی مبارک ہو!

WWW.PAKSOCIETY.COM

دو انڈوں کی قیمت

محمد یونس حسرت

نواب دین کا تعلق ایک خوش حال گھرانے سے تھا اور یہ نتیجہ اس خوش حالی ہی کا تھا کہ وہ ہر سال گرمیوں کے موسم میں اپنے گھر والوں کے ساتھ مری ضرور جاتا تھا اور اپنی زیادہ تر چھٹیاں وہیں گزارتا تھا۔

اُس کا گھرانا کافی مختصر تھا۔ ایک تو اُس کی امی تھیں، ایک بڑی بہن اور ایک اُس کے ابا جان۔ خوش قسمتی سے نواب دین اور اُس کی باجی عذرا کے ابا جی ایک بہت بڑی فرم میں ملازم تھے۔ اچھی تنخواہ کے علاوہ اُنہیں اور بھی کئی سہولتیں حاصل تھیں۔

نواب دین اور عذرا کے ابا جان کو اپنی اولاد سے بہت محبت تھی۔ وہ اُن کی کوئی خواہش رد نہیں کرتے تھے۔ بیٹا بیٹی جو کچھ مانگتے، انہیں فوراً مل جاتا مگر اُن کی یہ خوش قسمتی اُس وقت ختم ہوگئی جب ان کے ابا جی چند ماہ بیمار رہ کر دُنیا سے چل بسے۔

اُن کی موت کے بعد وہ پہلے سے حالات نہیں رہے۔ گھر کا سارا انتظام اب مرنے والے کی بیوہ کے سپرد ہو گیا تھا۔ عصمت بی بی اپنے شوہر کے مقابلے میں زیادہ عقل مند تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ اب اُن کی اولاد کی فضول خرچی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ وہ خود بھی ہاتھ روک کر خرچ کرتی تھیں اور بیٹی اور بیٹے کو بھی پیسہ ضائع کرنے نہیں دیتی تھیں۔

عصمت بی بی نے عقل مندی یہ کی کہ گھر میں جو کچھ جمع جتھا تھا اُس سے ایک تو قرض کا وہ روپیہ ادا کر دیا جو مکان کی تعمیر کے لیے بینک سے لیا گیا تھا، اس کے علاوہ بیٹی کی شادی بھی کر دی۔

قرض بھی ادا ہو گیا اور سر سے بیٹی کا بوجھ بھی اُتر گیا لیکن گھر کے اخراجات سے کیوں کر نجات حاصل کی جا سکتی تھی۔ ان میں کسی قدر کمی تو آ سکتی تھی مگر ختم تو کسی صورت بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

جب باپ کا انتقال ہوا تھا تو نواب دین بی اے کے پہلے سال میں تھا۔ بی اے کے بغیر تو کوئی ملازمت مل ہی نہیں سکتی تھی۔ ماں نے کسی نہ کسی طرح کالج کا خرچ پورا کر دیا اور نواب دین پاس ہو گیا۔

بی اے پاس کر لینا تو کوئی اعلیٰ مقصد نہ تھا۔ اعلیٰ مقصد تو ملازمت حاصل کرنا تھا۔

اب نواب دین کو وہی کچھ کرنا تھا جو ملازمت کے ہر خواہش مند کو کرنا پڑتا ہے۔ اُس نے مختلف دفتروں میں درخواستیں دینی شروع کر دیں۔ وہ جانتا تھا کہ اُس کے رشتے داروں میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جن کے اثر و رسوخ سے وہ کوئی اچھی ملازمت حاصل

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر سکتا ہے۔ اُس نے باری باری اُن سب کو آزمایا۔ یہ رشتے دار اُس کی مدد کرنا چاہتے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ اُن کے اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو بھی ملازمت درکار تھی۔ وہ اُن کا حق کیسے مار سکتے تھے؟

نواب دین دفتروں کے چکر لگاتے لگاتے تھک گیا تھا، لیکن زیادہ مایوس اس وجہ سے نہیں ہوا تھا کہ اُس کی ماں اُس کا حوصلہ بڑھاتی رہتی تھی۔ وہ کہتی: ''فکر کی کوئی بات نہیں، بیٹا! کوشش کرتے رہو۔ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہو گے۔'' اور نواب دین نے اپنی کوشش جاری رکھی۔

آٹھ ماہ بیت گئے تھے اور ابھی تک نواب دین کو کامیابی کا روشن چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ جب بھی وہ شام کو گھر آتا تو سب سے پہلے ماں کے پاس جاتا اور وہ حسب معمول اُسے تسلی دیتی۔

ایک روز شام سے پہلے وہ گھر آیا تو ماں باورچی خانے میں کام کر رہی تھی۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ باورچی خانے میں جاتا مگر وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اُس دن اس کی بڑی بہن بھی گھر پر تھی۔ اُس نے نواب دین کو اپنے کمرے میں جاتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''امی، پتا نہیں کیا بات ہے۔ آج نواب آپ سے ملے بغیر اپنے کمرے میں چلا گیا۔'' اُس نے ماں سے کہا۔

''لگتا ہے کچھ زیادہ ہی مایوس ہو گیا ہے۔'' امی نے کہا۔

''امی، آپ جا کر اُسے تسلی دیں۔''

ماں نے نواب دین کے کمرے میں جھانکا۔ وہ کرسی پر اس طرح بیٹھا تھا جیسے بہت مایوس اور نا امید ہو۔

''نواب بیٹا، کیا بات ہے؟ مایوس تم پہلے بھی ہوتے تھے مگر آج کچھ زیادہ ہی مایوس دکھائی دیتے ہو۔''

''امی، یہ بڑی اچھی جگہ ہے، جس کے لیے میں نے درخواست دی ہے۔ دفتر کے کلرک نے مجھے بتایا ہے کہ اس کے لیے بہت سے اُمیدواروں کی درخواستیں پہنچ چکی ہیں۔ کئی امیدواروں کے لیے بڑی بڑی سفارشیں بھی آئی ہیں۔ بھلا مجھے کون پوچھے گا۔''

ماں نے بیٹے کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور کہا: ''نواب بیٹا، اس طرح نہیں سوچا کرتے۔ انسان کو کسی حال میں بھی نا امید نہیں ہونا چاہیے۔''

''ٹھیک ہے، امی۔'' یہ کہہ کر نواب دین خاموش ہو گیا۔

''اب کیا سوچ رہے ہو؟''

''سوچنا کیا ہے، امی۔ میں نے دفتر کے بڑے افسر کو دیکھا تو......''

''تو پھر؟''

''یوں لگا جیسے میں نے پہلے اُسے کہیں دیکھا ہے۔ اُس کا چہرہ جانا پہچانا سا تھا۔''

''یاد نہیں آ رہا؟''

WWW.PAKSOCIETY.COM

’’نہیں، بہت پہلے کی بات ہے۔ وہ اُس وقت لڑکا تھا مگر ہو سکتا ہے یہ میرا خیال ہی ہو۔‘‘

’’خدا کرے تمہارا خیال درست ہو۔‘‘

’’نہیں، امی۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ناممکن، بالکل ناممکن۔‘‘ یہ کہہ کر نواب دین کرسی پر سے اُٹھ بیٹھا۔

’’چلو چھوڑو اِس قصے کو، اللہ بہتر کرے گا۔‘‘

ماں نواب دین کو باورچی خانے میں لے گئی۔ کھانا کھاتے وقت بھی وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ ماں سمجھی کہ شاید اُس افسر کو پہچاننے کی کوشش کر رہا ہے۔

تیسرے روز انٹرویو ہونا تھا۔ عذرا نے بھائی کے کپڑے اِستری کیے، اُس کے بال سنوارے، ماں نے دعا دی اور وہ روانہ ہو گیا۔

دن کے دو بجے واپس آیا تو اُسی طرح مایوس دکھائی دیتا تھا جس طرح ہر روز کسی دفتر کا چکر لگانے کے بعد دکھائی دیتا تھا۔

’’نواب بیٹا! ماں نے اُسے دیکھ کر کہا۔ ’’کیا بات ہے؟‘‘

’’امی، میرا خیال بالکل غلط نکلا۔‘‘

’’نہیں پہچانا اُس نے؟‘‘ عذرا نے سوال کیا۔

’’جب انٹرویو ہو رہا تھا تو اُس نے مجھے کئی بار دیکھا۔‘‘

’’پھر؟‘‘

’’پھر کیا؟ کچھ نہیں۔ وہ میرے لیے اجنبی، میں اُس کے لیے اجنبی۔‘‘

’’خیر اللہ بہتر کرے گا۔‘‘ یہ اُس کی ماں کے الفاظ تھے۔

نواب دین اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھا تو ماں بولی: ’’جاؤ بیٹا! اپنے دوستوں کے ہاں جاؤ۔ چپ چاپ کمرے میں بیٹھ کر پریشان ہوتے رہو گے۔‘‘ نواب دین باہر چلا گیا لیکن تھوڑی دیر بعد ہی واپس آ گیا۔

ابھی پوری طرح صبح نہیں ہوئی تھی۔ کچھ کچھ روشنی اور کچھ کچھ اندھیرا تھا۔ صرف ماں جاگ رہی تھی۔ عذرا اور نواب دین سو رہے تھے۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔

’’ہیں! یہ صبح صبح کون آ گیا؟‘‘ ماں نے دل میں سوچا اور دروازے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھولا تو ایک اعلیٰ درجے کے سوٹ میں ملبوس آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اُس کے دل میں سب سے پہلا خیال یہ آیا کہ یہ صاحب ضرور محلے میں کسی کا پتا پوچھنا چاہتے ہیں۔ ہم سے ان کا کیا کام۔

’’فرمایئے؟‘‘ ماں نے پوچھا۔

’’نواب دین کا یہی گھر ہے؟‘‘

’’جی ہاں...... آپ، کون ہیں؟‘‘

’’اماں جی!‘‘ وہ آدمی ادب سے بولا۔ ’’نواب دین مجھے پہچانتا ہے۔ آپ اُس کی امی ہیں؟‘‘

WWW.PAKSOCIETY.COM

''ہاں، میں اُس کی ماں ہوں...... آیئے، اندر آ جایئے۔''
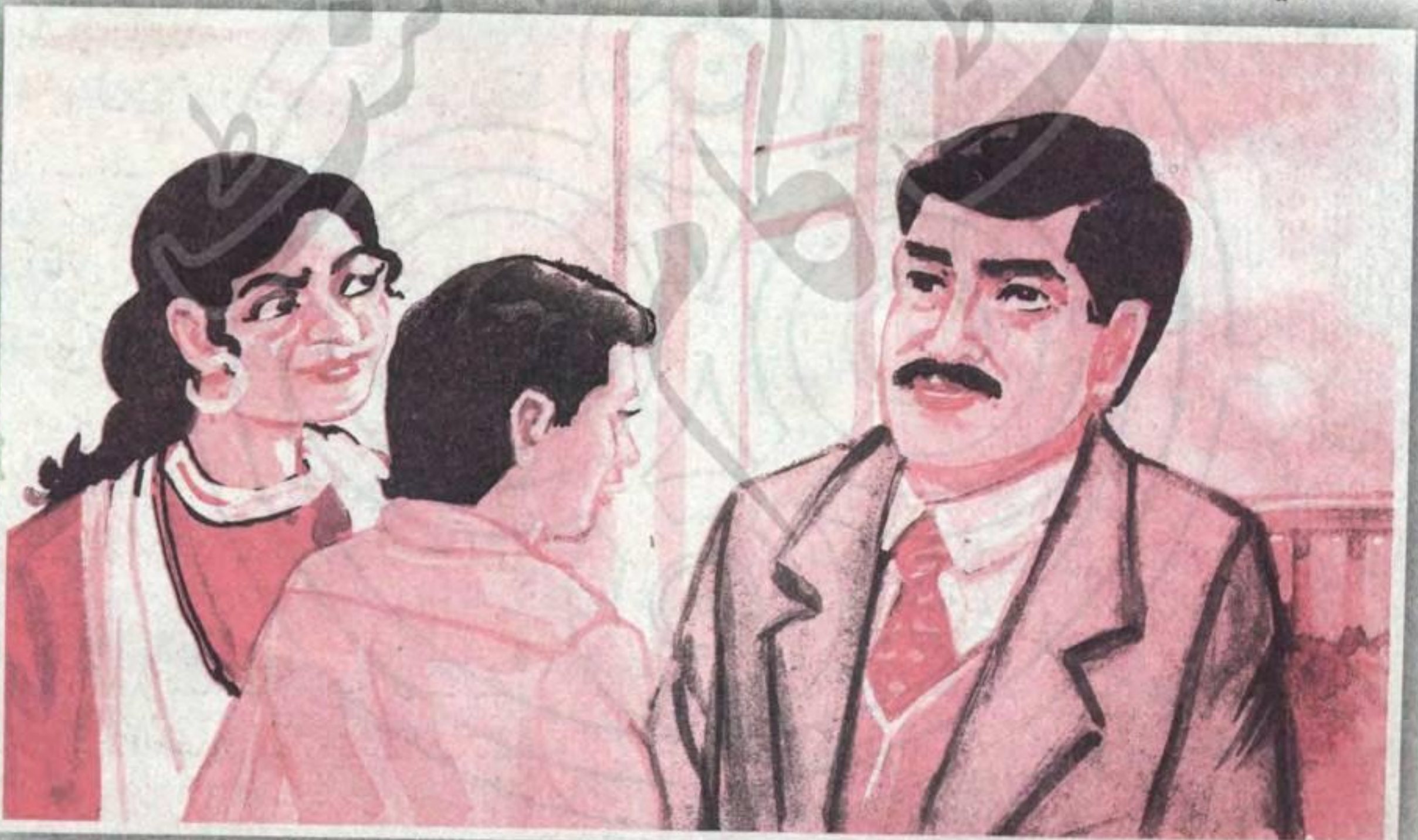
وہ اجنبی کو کمرے میں لے گئی۔

''سو رہا ہے، ابھی اٹھ کر آ جاتا ہے'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔ چند منٹ گزرنے کے بعد ماں بیٹا دونوں کمرے میں آ گئے۔ نواب دین نے اُسے دیکھا تو حیرت سے اُس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''آپ!'' اُس کے منہ سے نکلا۔ وہ اپنے سامنے دفتر کے اُسی بڑے افسر کو دیکھ رہا تھا جس نے اُس کی درخواست پڑھ کر انٹرویو لیا تھا۔

''نواب دین، حیران ہو گئے مجھے دیکھ کر؟''

جی ہاں، جناب۔''

''تم مجھے شاید پہچان نہیں سکے، مگر میں نے تمھیں پہچان لیا ہے۔ یاد کرو، ایک بار مری کے ایک پارک میں تم بیٹھے کتاب پڑھ رہے تھے۔ اُس وقت ایک غریب لڑکا دو انڈے لے کر تمہارے پاس آیا تھا اور اُس نے کہا تھا کہ یہ انڈے خرید لیں اور تم نے وہ انڈے کافی زیادہ دام دے کر لے لیے تھے۔ اُس وقت ہماری یہ حالت تھی کہ دو وقت روٹی بھی نصیب نہیں ہوتی تھی۔''

نواب دین ایک دم کھڑا ہو گیا اور بولا: ''مجھے یاد آ گیا، جناب، یاد آ گیا۔''

''تو نواب دین، میں وہی غریب لڑکا ہوں۔ میں نے رات دن محنت کی۔ اللہ نے مجھے میری محنت کا ثمر دیا اور میں ترقی کرتا گیا۔ آج اُس محنت کی وجہ سے میں وہ کچھ بن گیا ہوں جو تم مجھے دیکھ رہے ہو۔''

نواب دین کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر کہہ نہیں سکتا تھا۔

''نواب دین، میں تمہارا وہ احسان نہیں بھولا'' یہ کہہ کر وہ اُٹھا اور بولا: ''کل دفتر آ کر مجھ سے ملنا!''

☆☆☆

راستہ بتاؤ

اتفاق سے خالد گھر کا راستہ بھول گیا ہے۔ ذرا خالد کی رہمائی کیجیے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

سارے موسم پیارے ہیں

(تاشفین بنت یوسف)

ننھے ''ہرے بھرے'' نے جیسے ہی مالی بابا کو باغ میں داخل ہوتے دیکھا تو غصے سے تن کر کھڑا ہو گیا۔

''مما! آج میں مالی بابا کو چھوڑوں گا نہیں، یہ جیسے ہی میری جڑ کو پانی دینے کے لیے نیچے بیٹھیں گے، میں ان پر اپنی موٹی سی شاخ گرا دوں گا۔'' آج تو ہرے بھرے کا غصہ عروج پر تھا۔

''ہرے بھرے بیٹا! بڑوں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے اور اگر تم غصے میں ان پر اپنی شاخ گراؤ گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی نقصان ہو گا کیونکہ غصہ کرنے والا ہمیشہ اپنا ہی برا کرتا ہے۔'' اس کی مما نے اسے پیار سے سمجھایا۔

''لیکن پھر بھی مما! یہ میری حفاظت پہلے کی طرح کیوں نہیں کرتے تاکہ میں ہرا بھرا ہو جاؤں۔ اب تو میں نام کا ہی ہرا بھرا رہ گیا ہوں۔'' ہرے بھرے نے معصومیت سے منہ بنا کر کہا تو اس کی مما مسکرا دیں۔

''بیٹا! اس میں مالی بابا کا کوئی قصور نہیں ہے، وہ تو ہماری پہلے کی طرح ہی حفاظت کرتے ہیں۔ بس یہ موسم ہی ایسا ہے۔ اس موسم میں سب درختوں کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔'' مما نے پیار سے اسے سمجھایا۔

''کتنا گندا موسم ہے یہ۔'' ہرے بھرے نے دل میں سوچا۔ اسے یاد آیا کہ جولائی، اگست کے مہینوں میں کیسی پیاری اور ٹھنڈی ٹھنڈی بارش ہوتی تھی اور وہ اس بارش میں نہا کر حقیقتاً ہرا بھرا ہو جاتا تھا اور اس کے پتے کتنے سرسبز رہتے تھے۔ اب تو اس گندے موسم میں اس کے سارے پتے پیلے اور کمزور ہو کر گرتے جا رہے ہیں۔ ہرے بھرے نے ایک افسردہ نظر زمین پر بکھرے اپنے پتوں پر ڈالی۔ اچانک ٹھنڈی ہوا کا ایک جھونکا آیا اور وہ سہم کر اپنی مما سے لپٹ گیا۔

ہرا بھرا ایک شیشم کا ننھا سا درخت تھا۔ پچھلی بہار کی بات ہے کہ اس جگہ پر ایک شیشم کا بیج گرا تھا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے وہاں ایک ننھا منا سا شیشم کا درخت اُگ آیا جس کا نام اس کی مما نے ہرا بھرا رکھا اور اسی ہرے بھرے کو پہلی دفعہ خزاں کا سامنا تھا اور وہ نہایت پریشان تھا کیونکہ اسے اپنے سبز پتوں سے بڑا ہی پیار تھا اور اس موسم میں تو کوئی پتا اگنا تو دور کی بات اس پر پہلے سے موجود پتے بھی گرنے لگے تھے اور ہرا بھرا کبھی اسے مالی بابا کی کوتاہی گردانتا اور کبھی موسم کو کوسنے لگتا۔

صبح کا وقت تھا، سارے باغ پر خاموشی اور کہر کی چادر تنی تھی۔ کہیں کوئی پرندہ یا تتلی موجود نہیں تھی۔ یہ حال دیکھ کر ننھے ہرے بھرے کے دو آنسو ٹپک کر زمین پر آ گرے۔ اسے پرندوں اور تتلیوں سے بہت محبت تھی اور جب وہ اُڑتے اُڑتے لمحہ بھر کو ہرے بھرے کی شاخوں پر بیٹھ کر اسے شرارت سے ہلاتے تو وہ خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ اب تو ناجانے وہ سب کہاں چلے گئے تھے۔ اس موسم میں تو وہ شرارتی بچے بھی باغ میں نہیں آتے تھے جو کبھی کبھی ہرے بھرے کے پتے توڑ لیتے تھے اور ان کے اس عمل پر اسے بہت تکلیف ہوتی تھی۔ عام دنوں میں تو ہرا بھرا انہیں دیکھتے ہی گھبرا جاتا تھا مگر اس خاموشی میں اسے وہ سب بھی یاد آ رہے تھے۔

''مما! مجھے لگتا ہے اس گندے موسم کو کوئی بھی پسند نہیں کرتا ہے نا؟'' ہرے بھرے نے اپنی مما سے پوچھا۔

''نہیں بیٹا! یہ موسم گندا یا برا نہیں ہے۔ موسم تو سب اچھے ہیں اور ان کا کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہوتا ہے۔'' اس کی مما بولیں۔

''اس موسم کا بھلا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟'' ہرے بھرے سے رہا نہ گیا اور وہ بول پڑا۔

''اس میں تو میں بیمار ہو گیا ہوں۔'' ہرا بھرا دکھ سے گویا ہوا۔

''ابھی تم چھوٹے ہو نا! اس لیے ایسی باتیں کہہ رہے ہو مگر اللہ تعالیٰ جو بھی نظام بناتا ہے وہ درست ہوتا ہے اور یہ موسم بھی اسی نظام کا حصہ ہیں۔ ہمیں ہر حال میں اللہ تعالیٰ شکر ادا کرنا چاہیے۔'' اپنی مما کی بات سن کر ہرا بھرا خاموش ہو گیا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ اب کبھی بھی اس پر پتے نہیں آئیں گے، نہ اس کے دوست

WWW.PAKSOCIETY.COM

پرندے اور تتلیاں واپس آئیں گی۔
اچانک ہرے بھرے سے کوئی ٹھنڈی ٹھنڈی چیز ٹکرائی تو اس نے گھبرا کر آسمان کی طرف دیکھا۔ اوپر سے سفید سی چیز گر رہی تھی۔ "یہ بارش تو نہیں ہے، وہ ایسی تو نہیں ہوتی۔" ہرے بھرے نے پریشان ہوتے ہوئے سوچا اور جلدی سے اپنی مما سے بولا: "مما یہ کیا گر رہا ہے ہمارے اوپر؟"
"بیٹا! یہ برف ہے جو سردی زیادہ ہونے کی وجہ سے گر رہی ہے۔" مما بولیں۔
"مما! برف کیا ہوتی ہے؟" ہرے بھرے نے سوال کیا۔
"یہ پانی ہوتا ہے جو زیادہ سردی میں جم جاتا ہے اور تمہیں پتا ہے کہ جب برف گرتی ہے تو وہ وقت ہمارے سونے کا ہوتا ہے، اس لیے اب تم سو جاؤ۔" ہرے بھرے کی مما بولیں۔
"پھر ہم کب جاگیں گے مما؟" ننھے ہرے بھرے نے فکر مند ہو کر پوچھا۔
"جب بہار آ جائے گی تب! اور تم دیکھنا کہ بہار کے آتے ہی تمہارے پتے، تمہارے دوست سب واپس آ جائیں گے۔ چلو اب جلدی سے سو جاؤ۔ برف باری تیز ہو رہی ہے۔" اس کی مما نے کہا تو ہرا بھرا افسردہ سا سر جھکا کر سو گیا اور روئی کے گالوں جیسی برف نے اسے مکمل طور پر ڈھانپ دیا مگر ہرا بھرا خواب میں بھی یہ ہی سوچ رہا تھا کہ اب وہ پیارا موسم کبھی واپس نہیں آئے گا اور اسی طرح خزاں کا موسم گزر گیا۔
ایک صبح ہرے بھرے کو ایسا محسوس ہوا کہ باغ میں ہر طرف پرندوں کی آوازیں آ رہی ہیں۔ اچانک اسے یوں محسوس ہوا کہ اس کی شاخ پر کوئی تتلی آ کر بیٹھی ہو۔ آج تو اسے ایک مزے دار حرارت بھی محسوس ہو رہی تھی، جیسے دھوپ نکلی ہو۔ ہرا بھرا سب کو خواب سمجھ رہا تھا، اس لیے وہ جاگنا نہیں چاہتا تھا کہ اچانک اسے اس کی مما کی آواز آئی۔ "ہرے بھرے بیٹا! اٹھ جاؤ اور دیکھو بہار آ گئی ہے۔"
اپنی مما کی آواز سن کر ہرا بھرا جھٹ سے جاگ گیا اور یہ دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا کہ پورے باغ میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے ہیں اور ان پر خوب صورت پرندے اور تتلیاں اڑتی پھر رہی تھیں اور ہر طرف نرم گرم دھوپ بھی پھیلی ہوئی تھی۔ خوشی سے بے قابو ہو کر ہرے بھرے نے خود پر نظر ڈالی تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس کی ہر شاخ پر بے شمار ننھے، ہرے ہرے پتے اُگ رہے تھے۔ "مما! یہ دیکھیں میرے سارے پتے واپس آ گئے ہیں، اب تو یہ پہلے سے بھی خوب صورت ہو گئے ہیں۔" ہرے بھرے نے خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔
"بیٹا! یہ پتے واپس نہیں آئے بلکہ نئے آئے ہیں۔" اس کی مما نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔
"اس کا مطلب ہے مما کہ میں نیا ہو گیا ہوں۔ میرے سارے پتے جو نئے ہو گئے ہیں۔" ہرے بھرے کی خوشی کا تو کوئی ٹھکانا نہ رہا۔
"ہاں بیٹا! یہی بات ہے۔ بہار کا موسم اس لیے آتا ہے کہ ہمارے اوپر نئے پتے اُگ سکیں اور پھر سال گزرنے پر جب یہ پتے پرانے ہو جاتے ہیں تو خزاں کا موسم آ کر ہمارے پرانے پتے گرا دیتا ہے تاکہ بہار پھر سے ہم پر نئے پتے اُگا سکے۔ اس لیے اب تمہیں معلوم ہوا کہ سارے موسم پیارے ہوتے ہیں اور ہر موسم کا کوئی ایک فائدہ ضرور ہوتا ہے۔" ہرے بھرے کی مما بولیں۔
"جی مما! اب میں کبھی خزاں یا کسی اور موسم کو برا نہیں کہوں گا۔ مجھے پتا چل گیا ہے کہ خزاں کا موسم ہمارے پرانے پتے اس لیے گراتا ہے تاکہ ہمیں نیا کرنے میں مدد دے سکے۔" ہرے بھرے نے کہا تو اس کی شاخ پر بیٹھی ننھی سی چڑیاں ایک دم سے چہچہا اٹھی جیسے کہہ رہی ہو کہ "ہاں! یہی سچ ہے۔" اور ہرا بھرا اس کی سریلی آواز سن کر خوشی سے جھوم اٹھا۔

(پہلا انعام: 150 روپے کی کتب)

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے

(نور الہدیٰ عائشہ، اسلام آباد)

زندگی اور خوابوں کا ساتھ صدیوں پرانا ہے...... ایجادات، تخلیقات اور کائنات کو خوب صورت بنانے کا خواب انسان ازل سے دیکھتا آ رہا ہے۔ اسی طرح برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے پاک سرزمین کا خواب علامہ اقبال نے دیکھا تھا۔ یہ وطن اس خواب کی حسین تعبیر ہے اور یہ مقابلہ مصوری علامہ اقبال سے عقیدت کے طور پر منعقد کیا گیا ہے۔
انہوں نے گویا شہر بھر کے سکولوں کے بچوں کے مابین منعقدہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

مقابلہ مصوری کا مقصد بیان کیا۔ مقابلے میں شامل شاعر مشرق کی بڑی بڑی تصویروں سے اسٹیج کو سجایا گیا تھا۔ ہال بچوں سے بھرا ہوا تھا۔ بعض بچوں کے والدین بھی آئے تھے اور مختلف اخباروں کے نمائندے اور فوٹو گرافرز بھی اس تقریب میں مدعو تھے۔ سب نتائج کے منتظر تھے۔ نتائج کے اعلان کے لیے مطالعہ پاکستان کے استاد عمیر عالم صاحب نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پہلی پوزیشن کا نام سنتے ہی عدیل اپنی جگہ سے اٹھا اور مہمانِ خصوصی سے اپنا انعام وصول کرنے لگا۔ اس دوران ایک ساتھ کئی کیمروں کے فلیش چمکے۔

''شاباش بیٹا! اچھے کاموں میں اسی طرح آگے بڑھتے رہنا۔'' مہمانِ خصوصی نے اسے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ وہ نیچے اتر آیا پھر دوسری اور تیسری پوزیشن لینے والے طالب علم اسٹیج کی طرف بڑھے۔ کھانے کی میز پر عدیل، علینہ، ان کے ممی ڈیڈی اور دادو موجود تھے۔

''ڈیڈی! آج آپ کے لیے میرے پاس ایک ایسی خبر ہے جو اچھی بھی ہے اور بری بھی!'' عدیل نے اپنے ڈیڈی کو مخاطب کیا۔

''واہ بھئی......! ایسی کون سی خبر ہے جو بیک وقت بری ہے اور اچھی بھی؟'' منیر صاحب نے مصنوعی تشویش کا اظہار کیا۔

''کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے ڈیڈی!'' علینہ بولنے لگی۔

''تم کیا جانو اس خبر کی اہمیت؟'' عدیل اکڑ کر بولا۔ ''واہ ممی! آپ بھی تو کچھ بولیں نا۔''

''لیکن بیٹا! ہمیں تو ایک ہی خبر کا پتا ہے جو اچھی ہے۔'' بیگم منیر بولیں۔

''اور وہ ہم ہی سنا دیتے ہیں...... عدیل بیٹے نے آج مقابلہ مصوری میں پہلا انعام حاصل کیا ہے۔'' دادو نے عدیل کو ستائشی نظروں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

''بہت خوب، عدیل بیٹا......!'' منیر صاحب نے آہستہ سے تالی بجائی۔ ''یہ تو واقعی اچھی خبر ہے، بری خبر یہ کیسے ہوئی؟''

''ڈیڈی! بری خبر آپ کی جیب کے لیے ہے، یاد ہے نا اپنا وعدہ آپ کو؟'' عدیل نے ڈیڈی کو اپنا وعدہ یاد دلانے کی کوشش کی۔

''خوب رہی عدیل میاں!'' منیر صاحب پھر ہنسنے لگے۔ ''کس طرح گھما پھرا کے بات کو اپنے مطلب تک لے آئے۔ اول آنے پر کمپیوٹر دلانے کا وعدہ تو مجھے یاد تھا لیکن شروع میں تم نے اُسے بری خبر قرار دے کر مجھے الجھا دیا۔''

''ہاں تو عدیل بیٹا! کتنے میں آجائے گا تمہارا کمپیوٹر؟'' بیگم منیر نے پوچھا۔

''دس ہزار میں آجائے گا کمپیوٹر، سیکنڈ ہینڈ ہے نا، اس لیے۔'' عدیل نے جواب دیا۔

''اور ڈیڈی میرے لیے......'' علینہ نے ڈیڈی کی توجہ اپنی طرف دلائی۔

''ڈیڈی تمھیں کوئی کیلکولیٹر لے دیں گے۔'' عدیل نے اسے چڑانے والے انداز میں کہا۔

محسن صاحب اپنے سکول کے شان دار آفس میں تشریف فرما تھے۔ عمیر عالم کچھ کہنے کی کوشش کر رہے تھے مگر ہمت نہ ہو رہی تھی۔

''عمیر صاحب! غالباً آپ کچھ کہنا چاہ رہے ہیں؟'' محسن صاحب نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

''جج...... جی...... جی ہاں سر!'' عمیر عالم ہچکچا رہے تھے۔

''سر! یہ بات تو آپ کے علم میں آچکی ہے کہ چند دن پہلے میرا بیٹا ایک حادثے میں شدید زخمی ہو گیا تھا۔'' عمیر عالم نے بولنا شروع کیا۔ ''میرے بیٹے کے سر پر اس چوٹ نے ایسا اثر کیا ہے کہ اس کی بینائی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ فوری طور پر اس کی آنکھوں کا علاج ضروری ہے، ورنہ اس کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بے نور ہو جائیں گی۔'' عمیر عالم کے لہجے کا کرب اس کی آنکھوں سے ظاہر ہو رہا تھا۔

''میں اندر آسکتا ہوں؟'' عدیل نے اجازت طلب کی۔

''آؤ بیٹے عدیل! تمہارے لیے ایک خوش خبری ہے۔ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں میں اعلیٰ کارکردگی کی بناء پر تمھیں بہترین طالب علم نامزد کیا ہے۔''

''عمیر صاحب! آپ کو اور کچھ بھی کہنا تھا؟'' محسن صاحب نے پھر عمیر عالم کو مخاطب کیا۔ عمیر عالم، عدیل کے سامنے بات نہیں کرنا چاہتے تھے، مگر پرنسپل نے انھیں خود مجبور کیا۔ ''سر! مجھے تین ماہ کی تنخواہ ایڈوانس چاہیے تھی اپنے بیٹے کے علاج کے لیے۔''

''ختم کریں عمیر صاحب یہ ڈرامہ اب...... آپ کا بیٹا بینائی سے محروم تو ابھی نہیں ہوا ہے نا۔'' محسن صاحب نے تلخ لہجے میں کہا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

"جب میرے بیٹے کی روشنی ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی تو آپ کو اس ڈرامے کا انجام دکھانے اسے یہاں ضرور لاؤں گا۔"

عمیر عالم کے ضبط کا بندھن ٹوٹ گیا تھا۔ ان کی آنکھوں سے گالوں پر لڑھکتے آنسو عدیل کو ساری کہانی سمجھا گئے تھے۔

عدیل اپنے گھر کے خوبصورت ڈرائنگ روم میں شاعر مشرق کی تصویر کے سامنے کھڑا تھا۔ دادو آرام دہ کرسی پر جھول رہی تھیں۔ انہوں نے عدیل کی آنکھوں میں بے چینی اور گہرے دکھ کی تحریر پڑھ لی تھی۔

"آج ہمارا عدیل بیٹا کن سوچوں میں گم ہے، انھیں کیا دکھ لاحق ہو گیا ہے؟"

"دادو! مجھے اپنا کوئی دکھ نہیں ہے، مجھے اپنے ٹیچر کا دکھ ہے۔" عدیل نے گہری سانس لی پھر بولا۔ "انہیں اپنے بیٹے کی آنکھوں کے علاج کے لیے پیسوں کی ضرورت تھی اور پرنسپل نے اُن کی مالی امداد کی، نہ اخلاقی...... ان کا آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اب بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔ میں اپنے استاد کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔"

"دادو میں کمپیوٹر نہیں خریدوں گا...... کمپیوٹر کے ان پیسوں سے سر عمیر کے بچے کا علاج ہو گا، اس کی آنکھیں روشن ہوں گی...... اور یہ پیسے انہیں دینے کے لیے آپ بھی میرے ساتھ جائیں گی۔"

"عدیل میاں! تم نے سچ مچ ہمارا دل جیت لیا ہے۔" دادو کرسی سے اٹھ کر علامہ اقبال کی تصویر کی طرف بڑھیں۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

دادو نے آگے بڑھ کر محبت سے اسے گلے لگایا جب کہ سامنے تصویر میں ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ شاعر مشرق عدیل کو دیکھ کر مسکرا رہے ہیں۔

(دوسرا انعام: 100 روپے کی کتب)

ایمان داری

(حرا عابد، راولپنڈی)

ارسلان ایک غریب لیکن بہت ایمان دار لڑکا تھا۔ اس کے والد کچھ عرصہ پہلے انتقال کر گئے تھے۔ اس لیے اس پر اپنی دو بہنوں کی شادی، ماں اور اپنے چھوٹے بھائی کو پڑھانے کا بوجھ تھا۔

ارسلان ہر روز نوکری کی تلاش میں نکلتا مگر کوئی اس کی بات تک نہ سنتا تھا۔ وہ ہر روز منہ لٹکائے مایوسی کے ساتھ گھر واپس لوٹ آتا تھا۔ ان کے گھر میں کھانے کو کوئی چیز نہ تھی، نوبت فاقوں تک آ پہنچی تھی۔ وہ روزانہ اِدھر اُدھر سے کچھ لے کر گزارہ کرتا مگر اس طرح کتنے دنوں تک چلتا، اب تو ہمسائے بھی ان سے تنگ آ گئے تھے اور ناک منہ چڑھانے لگے۔

ارسلان ایک دن نوکری کی تلاش میں گھر سے نکلا۔ وہ سارا دن پھرتا رہا مگر اس کو کہیں سے نوکری نہ ملی۔ ہمیشہ کی طرح تھکا ماندہ منہ لٹکائے چلا آ رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بٹوے پر پڑی۔ اس نے گلی میں اِدھر اُدھر دیکھا، گلی میں کوئی نہ تھا۔ ارسلان نے وہ بٹوہ اٹھا لیا۔ راستے میں بہت خوش تھا کہ شاید اللہ نے اس کی مدد کی ہے۔ وہ اس بٹوے کو لے کر گھر پہنچا۔ اس نے گھر میں اس بٹوے کے بارے میں کسی کو نہ بتایا۔

وہ رات بھر اس کے بارے میں سوچتا رہا، جب اُس نے بٹوہ کھول کر دیکھا تو اس میں لاکھوں روپے تھے۔ ارسلان کا اس وقت ایمان ڈگمگایا۔ اس میں اُس آدمی کا شناختی کارڈ اور دوسرے کاغذات بھی تھے۔ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ ساری رقم اس کے مالک کو دے دے گا۔

صبح ارسلان اس آدمی کے گھر پہنچا۔ وہ آدمی تابش کمال شہر کا بہت بڑا بزنس مین تھا۔ وہ ارسلان سے مل کر بہت خوش ہوا۔ اس نے ارسلان کی خاطر تواضع کی۔ کھانے کے بعد دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے تو اس بزنس مین نے ارسلان کو بتایا کہ یہ بٹوہ میں نے خود پھینکا تھا۔

ارسلان یہ سن کر بہت حیران ہوا اور پوچھا آپ نے یہ بٹوہ باہر کیوں پھینکا تھا۔ اس پر بزنس مین نے بتایا کہ میں نے کئی بار سیکرٹری رکھے لیکن سب نے میرے ساتھ بے ایمانی کی، اس لیے میں نے یہ بٹوہ باہر پھینکا تاکہ جو مجھے یہ بٹوہ لا کر دے گا، میں اس کو اپنا سیکرٹری رکھوں گا، اس لیے آج میں تم کو اپنا سیکرٹری رکھ رہا ہوں۔

یہ سن کر ارسلان بہت خوش ہوا۔ وہ دوسرے دن سے ان کے آفس جانے لگا۔ اس کے بعد اس نے اپنی دونوں بہنوں کی شادی کر دی۔ بھائی کی پڑھائی بھی مکمل کرا دی اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

(تیسرا انعام: 90 روپے کی کتب)

☆☆☆

WWW.PAKSOCIETY.COM

انار کا درخت

سید نظر زیدی
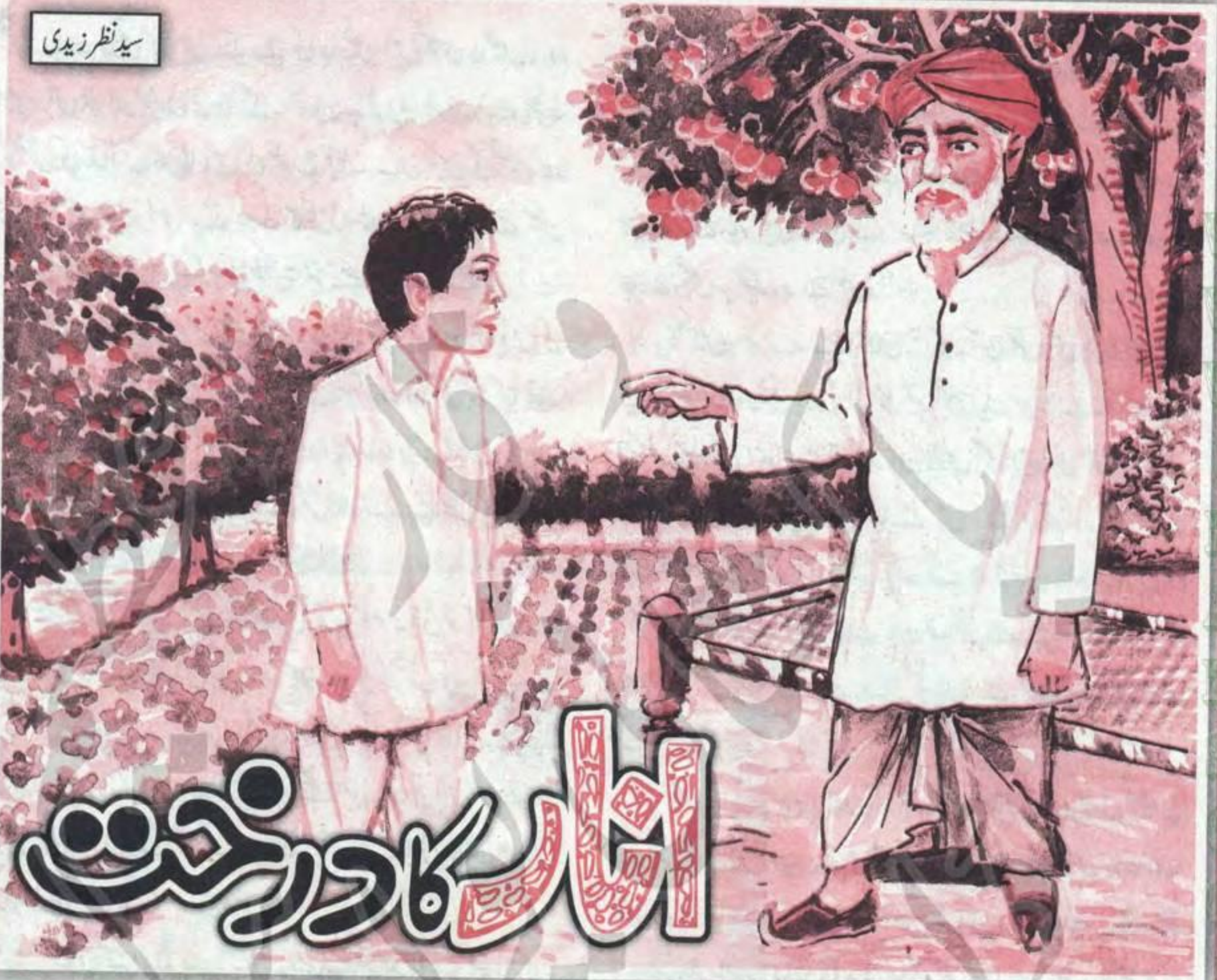
بہت پُرانے زمانے کی بات ہے، ایک کسان کے کھیت میں انار کا ایک درخت تھا۔ جس گاؤں میں یہ کسان رہتا تھا، وہاں کئی کسانوں کے کھیتوں میں بھی انار کے درخت تھے بلکہ گاؤں کا نمبردار تو اناروں کے ایک بڑے باغ کا مالک تھا لیکن اُس جیسا اُس گاؤں تو کیا، پورے ملک میں کوئی درخت نہ تھا۔

ایک خاص بات تو یہ تھی کہ اُس درخت پر اتنے انار لگتے تھے کہ کسی اور درخت پر نہ لگتے تھے۔ وہ پھلوں سے لد جاتا تھا اور اُس کے انار حد سے زیادہ میٹھے اور مزے دار ہوتے تھے۔ اُن کی اچھائیوں کا اس سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اُس سستے زمانے میں جب ایک روپے کے دس سیر انار مل جاتے تھے، اُس درخت کا ایک انار ایک روپے میں بکتا تھا۔ اس مبارک درخت کی وجہ سے کسان بہت امیر ہو گیا تھا۔

دیکھا گیا ہے کہ جب اللہ پاک کسی پر مہربانی کرتا ہے اور اُسے امیر بنا دیتا ہے تو اُس کے دل میں غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ دوسروں کو کم درجے کا سمجھنے لگتا ہے۔ کہتا ہے، یہ سب کچھ تو میں نے اپنی عقل سے حاصل کیا ہے لیکن یہ کسان ایسا نہ تھا۔ غرور سے گردن اکڑانے کی جگہ وہ سب سے بہت عاجزی کے ساتھ ملتا تھا۔ سب کی عزت کرتا اور غریبوں، محتاجوں کی دل کھول کر مدد کرتا تھا۔

اِن اچھائیوں کے علاوہ اُس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ جب اُس کے درخت کے پھل پک جاتے تو ایک عمدہ انار توڑ کر گاؤں کے قبرستان میں جاتا اور ایک قبر پر رکھ دیتا۔ یہ کام وہ سب سے چھپ کر رات کے وقت کیا کرتا تھا۔

اِس نیک دل اور شریف کسان نے پوری زندگی بہت عزت اور اطمینان سے گزاری تھی۔ اُس کی زندگی میں کبھی کوئی غم یا پریشانی آئی ہی نہ تھی لیکن اب بڑھاپے کی عمر میں وہ ایک ایسی الجھن میں پھنس گیا تھا جس سے نکلنے کی کوئی ترکیب اُس کی سمجھ میں نہ آتی

WWW.PAKSOCIETY.COM

تھی۔ بات یہ تھی کہ اُس کے بیٹے کی عادتیں اُس جیسی نہ تھیں۔ وہ مغرور بھی تھا اور فضول خرچ بھی۔ کسان نے اپنی طرف سے بہت کوشش کی کہ اُس کا بیٹا اُس کی طرح نیک بنے۔ اُس کی تعلیم اور تربیت کے لیے اُس نے بہت قابل استاد مقرر کیے تھے لیکن صاحب زادے کتے کی دُم کی طرح ٹیڑھے ہی رہے تھے۔

کسان کو امید تھی کہ جیسے جیسے بیٹے کی عمر زیادہ ہوگی، اُس کی عادتیں ٹھیک ہوتی جائیں گی، لیکن جوان ہو کر وہ اور بھی بگڑ گیا تھا۔ وہ اپنے آپ کو رئیس اعظم سمجھتا تھا اور اپنا سارا وقت فضول کاموں میں گزارتا تھا۔ کبھی شکاری کتے لے کر شکار کے لیے نکل جاتا، کبھی نکمے دوستوں کے ساتھ تاش یا چوسر کھیلتا رہتا۔

نالائق بیٹے کو نیک بنانے کی کوئی تدبیر کام نہ آئی تو کسان نے اُسے ایک دن اپنے پاس بلایا اور سمجھانے کی کوشش کی۔ اُس نے کہا: ”بیٹے، تم دیکھ رہے ہو کہ میں بہت بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے بعد سارا کاروبار تم ہی سنبھالو گے اور مجھے امید ہے تم اُس عزت اور خوش حالی کی حفاظت کرو گے جو اللہ پاک نے اپنی خاص مہربانی سے ہمیں دی ہے۔“

”کیوں نہیں، ابا جان! کیوں نہیں۔ آخر میں ایک سمجھ دار اور پڑھا لکھا نوجوان ہوں۔“ لڑکے نے غرور بھری آواز میں کہا۔

کسان کو اپنے بیٹے کے بولنے کا یہ انداز کچھ اچھا نہ لگا۔ پھر بھی پیار سے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا: ”پیارے بیٹے، جو بات سمجھانے کے لیے میں نے اس وقت تمھیں بلایا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کی نعمتوں کا حق دار بننے کے لیے قابل، سمجھ دار اور پڑھا لکھا ہونے سے زیادہ نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنا ضروری ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم اس راستے سے ہٹ گئے ہو۔ کم زوروں اور غریبوں کی مدد کرنے کے بجائے انھیں ستاتے ہو اور ہر وقت غرور بھری باتیں کرتے ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم یہ باتیں چھوڑ کر وہ طریقہ اپناؤ جو میرا ہے۔ غریبوں اور کمزوروں کی مدد کرو اور غرور کی جگہ نرمی اور عاجزی اپناؤ۔“

”ابا جان!“ بیٹے نے سر اُونچا کر کے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور اونچی آواز میں بولا: ”آپ جو باتیں کر رہے ہیں، وہ پُرانے زمانے میں تو ٹھیک ہوں گی۔ آج کل تو نرمی کی جگہ سختی فائدہ پہنچاتی ہے۔ آپ جن غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی بات کر رہے ہیں، اُنھیں میں آپ سے زیادہ جانتا ہوں۔ یہ سب جوتے کے یار ہیں۔ ان کے ساتھ رُعب اور سختی سے بات کی جائے، تبھی یہ ٹھیک رہتے ہیں۔“

”نہیں، میرے بیٹے! نہیں۔ زمانہ آج کل بھی ویسا ہی ہے جیسے پہلے تھا اور نیکی اور بُرائی کا نتیجہ بھی ایک جیسا ہے۔ اچھوں کا انجام پہلے بھی اچھا ہوتا تھا اور اِن دنوں بھی اچھا ہی ہوتا ہے اور بُرائی کرنے والے پہلے بھی گھاٹے میں رہتے تھے اور اِن دنوں بھی نقصان اٹھاتے ہیں۔ اللہ پاک نے جو قانون بنا دیے ہیں وہ کبھی نہیں بدلتے۔ میری بات مان لو، میرے بیٹے، اور وہ راستہ چھوڑ دو جس پر چل رہے ہو۔“ کسان نے بہت نرمی اور محبت سے اُسے سمجھایا۔

”اور میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ غلط خیالوں کی بھول بھلیوں سے نکل آئیں۔ آپ نے جو طریقہ کار اپنا رکھا ہے، اس سے ہمارا نقصان ہو رہا ہے۔ ہم اپنے درخت کے انار زیادہ قیمت پر بیچ سکتے ہیں اور اس طرح ہماری آمدنی دوگنی ہو سکتی ہے۔ میرے محترم ابا جان، ہماری اس دُنیا کی سب سے پکی بات حساب کتاب کی ہے۔ جس کے پاس روپیہ زیادہ ہے، وہی زیادہ طاقتور ہے اور اس دنیا میں عزت صرف طاقتور کی ہوتی ہے۔ جس برکت اور رحمت کی بات آپ کر رہے ہیں، وہ کبھی آسمان سے نہیں اُتری اور نہ اب اُترے گی۔“ کسان کا بیٹا اور بھی اونچی آواز میں بول رہا تھا۔

کسان نے جلدی سے اُس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور غصے سے بولا: ”خاموش! گستاخ! تو خدا اور اُس کی رحمتوں کا انکار کر رہا ہے۔ اگر تو توبہ نہیں کرے گا تو میں تجھ سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا۔“

باپ کو اس قدر غصے میں دیکھا تو لڑکا ڈر گیا۔ وہ یہ جانتا تھا کہ اُس کا باپ جو کہتا ہے، اُس پر عمل بھی کرتا ہے۔ نرم آواز میں بولا: ”ابا جان، آپ تو ناراض ہو گئے۔ میں نے تو بس اپنا خیال ظاہر کیا تھا۔ آپ کہتے ہیں تو توبہ کرتا ہوں۔“

WWW.PAKSOCIETY.COM

کسان اطمینان بھرا سانس لے کر بولا: ''خدا کا شکر ہے کہ تم نے اپنی غلطی مان لی۔ میرے بیٹے، خدا اور اُس کی رحمت کا انکار کم عقل کرتے ہیں۔ عقل والوں کو تو ایک ایک پتے اور ایک ایک ذرے میں اُس کا جلوہ نظر آتا ہے اور باتوں کو جانے دو، میں تمھیں اپنے اس درخت کے بارے میں بتاتا ہوں کہ اسے ایسی برکت کس طرح ملی۔ زیادہ دن نہیں گزرے کہ ہمارا یہ درخت بھی ویسا ہی تھا جیسے اور درخت ہیں بلکہ یہ اُن سے بھی کم درجے کا تھا، کیوں کہ اس پر پوری فصل میں صرف ایک انار لگتا تھا۔''

''صرف ایک انار؟'' بیٹے نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں، صرف ایک انار۔ لوگوں کے درخت اناروں سے لد جاتے تھے، لیکن ہمارے حصے میں صرف ایک انار آتا تھا۔'' کسان نے کہا۔

لڑکا اُس کی بات کاٹ کر بولا: ''میرا خیال ہے، اُس زمانے میں آپ اس کی دیکھ بھال نہ کرتے ہوں گے، ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اور درخت تو پھلوں سے لد جائیں اور اس پر بس ایک انار ہی لگے۔''

''اس درخت کی دیکھ بھال تو ہم اِن دنوں سے بھی زیادہ کرتے تھے۔ زیادہ پھل نہ لگنے کی وجہ کچھ اور ہی تھی جو ہمیں معلوم نہ تھی۔'' کسان نے کہا۔

''تو پھر اِس میں زیادہ اور ایسے عمدہ پھل کس طرح آنے لگے؟'' لڑکے نے سوال کیا۔

''بیٹے، یہی بات بتانے کے لیے میں نے اس وقت تمھیں بلایا ہے۔ خدا کرے تم میری بات کو سچ سمجھو اور وہ طریقہ اختیار کر لو جس پر میں چل رہا ہوں۔'' کسان نے کہا۔

''میرے بیٹے، ہوا یہ کہ ایک برس ہماری بستی میں بخار کی وبا پھیل گئی اور حکیم صاحب نے اس بیماری کا علاج انار کا رس بتایا۔ جسے بخار آتا وہ انار خرید کر اُس کا رس پیتا اور تندرست ہو جاتا۔ خریداری بڑھی تو انار مہنگے ہو گئے اور مہنگائی کی وجہ سے غریبوں کے لیے انار خریدنا مشکل ہو گیا۔ اُن دنوں ہماری بستی میں ایک بیوہ رہتی تھی جو غریبوں سے بھی زیادہ غریب تھی۔ اُس کا ایک ہی بیٹا تھا جسے وہ محنت مزدوری کر کے پال رہی تھی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ اُس کے بیٹے کو بھی بخار آ گیا۔ وہ بے چاری تو ڈھنگ سے دو وقت کی روٹی کا انتظام بھی نہ کر سکتی تھی، انار کیسے خریدتی۔

اُن دنوں ہمارے درخت پر بھی ایک انار لگا تھا اور ہم اس انتظار میں تھے کہ اناروں کا بھاؤ کچھ اور چڑھے تو اُسے فروخت کریں۔ اُدھر غریب بیوہ ہر طرف سے مایوس ہو کر ایک دن ہمارے گھر آ گئی۔ دادا جان اور میں صحن میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ وہ

خاتون ہمارے قریب زمین پر بیٹھ گئی اور حسرت بھری نظروں سے درخت پر لگے ہوئے انار کو دیکھنے لگی۔

خدا کے فضل سے تمھارے دادا جان بہت نیک اور رحم دل آدمی تھے۔ وہ سمجھ گئے کہ عورت انار لینا چاہتی ہے۔ اُنھیں اُس کے بیٹے کے بیمار ہونے کا حال معلوم تھا۔ وہ اُٹھے اور انار توڑ کر اُس عورت کو دے دیا۔ انار لے کر عورت نے آسمان کی طرف منہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

کر کے دُعا کے لیے ہاتھ پھیلا دیے اور اُسی دن سے ہمارے اس درخت میں یہ تاثیر پیدا ہوگئی۔''

لڑکا لاپروائی سے یہ ساری باتیں سن رہا تھا۔ کسان اپنی بات ختم کر چکا تو بولا: ''ابا جان، اگرچہ میں اپنے پہلے خیالات سے توبہ کر چکا ہوں، لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی۔ میں تو یہ خیال کرتا ہوں کہ آپ اپنے وہم کی وجہ سے اسے بیوہ کی دُعا کا اثر سمجھ رہے ہیں۔ یہ جو کچھ ہوا، موسم کی تبدیلی یا زمین کے اثر کی وجہ سے ہوا ہو گا۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خاص قسم کی ہوا چلتی ہے، درختوں کی جڑوں کی مٹی میں کچھ تبدیلی آتی ہے اور اُن کی حالت بدل جاتی ہے۔ بس یہی بات ہمارے اس درخت کے ساتھ ہوئی ہوگی۔''

''خاموش! بدتمیز! تو خدا کی طاقت اور دُعا کے اثر پر ایمان نہیں رکھتا۔ یاد رکھ! اگر تو نے سچ مچ اپنے خیالات نہ بدلے اور بُرے عقیدے سے سچی توبہ نہ کی تو اُس برکت سے محروم ہو جائے گا جو اُس غریب خاتون کی دعا کی وجہ سے ہمیں حاصل ہوئی ہے۔'' کسان نے غصے سے کہا۔

لڑکا ہنستے ہوئے بولا: ''اور میرے پیارے ابا جان، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اس دنیا کو ویسا سمجھنے لگیں جیسی یہ ہے۔ یہاں تو سب سے بڑی طاقت عقل ہے۔ جو عقل سے کام لیتا ہے اور محنت کرتا ہے، کامیابی حاصل کرتا ہے۔ میں یہی طریقہ اختیار کروں گا، اور ایسے ہی عمدہ پھل دینے والے اناروں کا ایک بہت بڑا باغ لگاؤں گا۔ مجھے معلوم ہوا تھا کہ آپ اپنے وہم کی وجہ سے ہر فصل کا پہلا پھل اُس عورت کی قبر پر رکھتے ہیں۔ وہ پھل میں اُٹھا لاتا ہوں، یہ دیکھیے۔ یہ کہہ کر کسان کے بیٹے نے اپنی جیب سے ایک انار نکالا اور ہتھیلی پر رکھ کر کسان کی طرف بڑھا دیا۔

کسان یوں چونکا جیسے اُسے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا ہو۔ گھبرا کر بولا: ''تو نے یہ کیا کیا؟ لگتا ہے اب ہم اُس برکت سے محروم ہو جائیں گے جو ہمیں اُس غریب بیوہ کی دُعا کی وجہ سے حاصل ہوئی تھی۔''

''ایسا ہرگز نہیں ہوگا، ابا جان بلکہ اب ہم پہلے سے زیادہ امیر ہو جائیں گے۔ نہ صرف ہمارے اس درخت پر اور زیادہ پھل لگیں گے، بلکہ ہم ایسے درختوں کے بہت بڑے باغ کے مالک ہوں گے۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنی عقل سے کام لوں گا اور دن رات محنت کروں گا۔'' لڑکے نے لاپروائی سے کہا۔

کسان کچھ دیر افسوس بھری نظروں سے اُس کی طرف دیکھتا رہا، پھر دکھ بھری آواز میں بولا: ''مجھے افسوس ہے، بیٹے، کہ میری بات تمھاری سمجھ میں نہیں آئی۔ میں محنت کی برکت اور عقل کے نور کا انکار نہیں کر رہا۔ محنت کرنا اور عقل سے کام لینا تو ہر حال میں ضروری ہے۔ اللہ پاک نے یہ نعمتیں اس لیے دی ہیں کہ ہم ان سے کام لیں لیکن ایسی خاص کامیابی جیسی ہمیں حاصل ہوئی ہے، نیکی اور سچائی کے راستے پر چلنے والوں ہی کو ملتی ہے۔ محنت کرنے اور عقل سے کام لینے کے ساتھ نیکی کے راستے پر چلنا بہت ضروری ہے۔ مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ اگر تم نے سچے دل سے توبہ نہ کی اور بُرائی کا یہ راستہ نہ چھوڑا جس پر چل رہے ہو تو میرے بعد یہ درخت ویسا ہی ہو جائے گا جیسے پہلے تھا۔''

کہتے ہیں، نیک دل کسان کے انتقال کے بعد انار کے درختوں پر پھل لگنے کا موسم آیا تو اُس درخت پر ایک انار بھی نہ لگا جو اپنے بہترین پھلوں کی وجہ سے پورے علاقے میں مشہور تھا۔ لیکن کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ باپ کے انتقال کے بعد اُس کے مغرور لڑکے نے سچے دل سے توبہ کی اور اپنے باپ دادا کی طرح نیک بن گیا اور چوں کہ اُس نے خوب محنت بھی کی اِس لیے وہ واقعی اناروں کے کئی باغوں کا مالک بن گیا۔ ہمارا دل تو یہ چاہتا ہے کہ خدا کرے یہ دوسری بات ہی ٹھیک ہو۔

پالک کھایئے! جان بنایئے!

پالک ایک فائدہ مند سبزی ہے۔ یہ ہر موسم میں ہمارے ہاں پائی جاتی ہے۔ تاہم سردیوں میں اسے کھانے کا لطف الگ ہوتا ہے۔ پالک میں جسم کو مضبوط بنانے والی کئی اشیاء شامل ہیں۔ مثلاً آئرن، کیلشیم، آئیوڈین، وٹامن اے، سی، ای وغیرہ۔ پالک ایشیاء کی خاص سبزی ہے اور اسے یہاں سے آج سے تقریباً 400 سال پہلے ہالینڈ کے ملاح یورپ لے گئے تھے اور وہاں سے یہ امریکہ پہنچی۔ ہمارے ہاں اکثر لوگ اس کی کڑواہٹ مارنے کے لیے اسے پہلے پیتے اور پانی نچوڑ لیتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اس طرح اس کے کئی مفید اجزاء ضائع ہو جاتے ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

مدیر تعلیم و تربیت! السلام علیکم! کیسے ہیں آپ؟
جنوری کا شمارہ زبردست تھا۔ سچا عاشق رسولؐ، انوکھی دنیا بہت عمدہ تحریریں تھیں۔ کوپن ایک صفحے پر شائع کر کے آپ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔
(حافظ اقراء الیاس، لاہور کینٹ)

جنوری کا شمارہ ملا۔ شمارہ بہت خوب صورت تحریروں سے مزین تھا۔ میری تجویز ہے کہ ایجادات، سائنس و ٹیکنالوجی، مسلم سائنس دان اور مسلم شخصیات پر بھی خاص نمبر شائع کریں۔
(فرحان اشرف، ہارون آباد)

☆ پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔

جنوری کا شمارہ زبردست تھا۔ تعلیم و تربیت پڑھ کر میری اُردو بہت اچھی ہو گئی ہے۔ میری تجویز ہے کہ پہیلیاں بھی شامل کریں۔ میرے امتحانات ہونے والے ہیں۔ کامیابی کی دُعا کیجیے گا۔
(مناہل افضل، لاہور)

☆ ہمیں خوشی ہے کہ تعلیم و تربیت پڑھ کر آپ کی اُردو بہتر ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو امتحان میں کامیاب کرے۔ آمین

جنوری کا شمارہ بہت عمدہ رہا۔ اگر، بے مقصد کام، الجھن، سچا عاشق رسولؐ، ریت اور پتھر بہترین کہانیاں تھیں۔ پیارے اللہ کے پیارے نام، کھوج لگائیں اور دماغ لڑاؤ بہت اچھے سلسلے ہیں۔
(مآب زینت، جہلم)

اس مرتبہ تعلیم و تربیت کا سرورق دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سچا عاشق رسولؐ، الجھن، بے مقصد کام، اگر، گڑیا بہت پسند آئیں۔ مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے اس کے لیے مجھے کیا کرنا چاہیے؟
(شمائلہ فضل کریم، راول پنڈی)

☆ آپ کی پسندیدگی کا شکریہ۔ کہانی لکھ کر بھیجیں۔ معیاری ہوئی تو ضرور شائع کریں گے۔

مجھے تعلیم و تربیت پڑھتے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے۔ میں چھ سال کا ہوں، لکھ نہیں سکتا لیکن پڑھ لیتا ہوں۔ کرکٹ کے کھلاڑیوں کے بارے میں بھی کچھ دیا کریں۔
(ثوبان احمد سومرہ، بہاول پور)

☆ جی ہم کرکٹ کے کھلاڑیوں کے بارے میں معلومات دیتے رہے ہیں۔ آپ تعلیم و تربیت شوق سے پڑھتے ہیں، بہت خوشی ہوئی۔

مجھے بہت دکھ ہوا کہ آپ نے نہ میرا خط شامل کیا اور نہ مجھے بتایا کہ میری کہانیاں قابل اشاعت ہیں یا نہیں۔ تعلیم و تربیت بہت اچھا رسالہ ہے۔
(زرناب نظیر ملک، مانسہرہ)

☆ آپ اپنی کہانیاں بھیجیں۔ اچھی ہوئیں تو ضرور شائع کی جائیں گی۔

جنوری کا شمارہ سپرہٹ رہا۔ فروری کے مہینے کے لیے کچھ چیزیں بھیج رہا ہوں۔ اس مہینے میری سال گرہ بھی ہے۔ کہانیاں معیاری ہوں تو ضرور شائع کریں اور خط بھی۔
(ایمل سہیل جوسہ، ایبٹ آباد)

☆ لیجیے خط کا جواب حاضر ہے۔ خوش ہو جائیں! کہانیاں بھیجیں اور سالگرہ مبارک ہو۔

تعلیم و تربیت میں بامقصد کہانیاں اور معلوماتی مواد شامل ہوتا ہے۔ ہم دونوں بھائیوں نے پہلی مرتبہ یہ رسالہ پڑھا، سچ مچ بہت مزا آیا۔
(عبدالاحد کیانی، عبدالسمیع کیانی، لاہور)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ اداریہ، گڑیا اور بے مقصد کام بہت پسند آئے۔ پیارے اللہ کے پیارے نام بھی اچھا سلسلہ ہے۔
(اُرویٰ معطر بیگ، گجرات)

مجھے تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ انسائیکلوپیڈیا اور معلومات عامہ میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اگر میں ای میل کے ذریعے خط بھیجوں تو شائع ہو گا؟

☆ پسند کرنے کا شکریہ۔ ای میل کے ذریعے خط بھیج سکتے ہیں۔

میں آپ کا رسالہ بہت شوق سے پڑھتا ہوں۔ مجھے رسالہ بہت دیر سے ملتا ہے۔
(محمد فیصل شہزاد، بھکر)

WWW.PAKSOCIETY.COM

☆ امید ہے تعلیم و تربیت ہمیشہ پڑھتے رہیں گے۔ آپ کی شکایت درج کر لی گئی ہے۔

کیسے ہیں آپ؟ مصروفیت کی وجہ سے آپ کو کچھ نہیں لکھ سکا۔ تعلیم و تربیت سے میں نے بہت استفادہ کیا ہے۔ مصوری کے مقابلے میں پہلی پوزیشن لی ہے۔ اس کے علاوہ کالج کے میگزین کے لیے مجھے مدیر منتخب کیا گیا ہے۔ (محمد عثمان قائمی، جھنگ صدر)

☆ تعلیم و تربیت کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اتنی ڈھیر ساری کامیابیوں پر آپ کو مبارک باد قبول ہو۔ کامیابی کے لیے دُعا گو ہیں۔

میں آپ کا رسالہ بہت دلچسپی سے پڑھتی ہوں۔ مجھے پہیلیاں بہت پسند ہیں۔ مزید پہیلیاں شامل کریں۔ (آئینہ حق، کوئٹہ)

☆ آپ کی تجویز پر غور کریں گے۔

جنوری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ ساری کہانیاں لاجواب تھیں۔ سلسلہ ''سوال یہ ہے کہ......!'' جاری رہے گا؟ (حفصہ خان، لاہور)

☆ جی ہاں ''سوال یہ ہے کہ......!'' کا سلسلہ جاری رہے گا۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں ردی کی ٹوکری سے بہت تنگ ہوں۔ میرا خط شائع نہیں ہوتا۔ کہانیاں گڑیا، ریت اور پتھر اور چچا تیز گام بہت پسند آئیں۔ کیا میں کوئی کہانی بھیج سکتا ہوں؟

☆ کہانی بھیج سکتے ہیں۔ آپ کا خط شامل کیا گیا ہے۔ مایوسی گناہ ہے۔ خوش رہیں۔

کہانی نمبر نکالنے پر آپ کو مبارک ہو۔ تصویری کہانی کا سلسلہ دوبارہ شروع کر دیں۔ بہت اچھا سلسلہ ہے۔ تعلیم و تربیت میرے بچپن کا ساتھی ہے۔ (ماریہ جاوید، لاہور)

☆ پسندیدگی کا شکریہ۔ آپ کی تجویز پر غور کیا جائے گا۔ بہت خوشی ہوئی کہ آپ بچپن سے یہ رسالہ پڑھتی آ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیاب کرے۔

واہ جی واہ! جنوری کا شمارہ دیکھ کر اور پڑھ کر بہت مزا آیا۔ کہانیوں میں گڑیا، سچا عاشق رسولؐ، بے مقصد کام بہت زبردست تھیں۔ اللہ تعالیٰ تعلیم و تربیت کو مزید ترقی دے۔ (فاطمہ نصیر، راولپنڈی)

راستہ تلاش کریں میرا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ اسے جاری رکھیے گا۔

(محمد عتبان شفیق، چشمہ)

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ میں تعلیم و تربیت کا نیا قاری ہوں۔ جنوری کے شمارے میں معلومات عامہ، دماغ لڑاؤ، میری زندگی کے مقاصد اور کھیل دس منٹ کا پسند آئے۔

(زین العابدین، پشاور)

☆ آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

تعلیم و تربیت میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ دسمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ کہانیاں پٹ پٹ پٹاک کی واپسی، شہزادی عنبر اور چچا تیز گام نے گاڑی چلائی، مزے دار کہانیاں تھیں۔ (عائشہ عدنان، لاہور)

آپ بھی لکھیے بہت اچھا سلسلہ ہے۔ ہونہار مصور بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ (ایمن لئیق، لاہور)

تعلیم و تربیت بہت اچھا اور دلچسپ سلسلہ ہے۔ دسمبر کا کہانی نمبر کام یاب رہا۔ کہانیاں سبق آموز تھیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ترقی سے ہم کنار کرے۔ (وریشا جاوید، سیالکوٹ)

مجھے آپ کا رسالہ تعلیم و تربیت بہت پسند ہے۔ دسمبر کے شمارے کی کہانیاں بہت خوب صورت اور اچھی تھیں۔ (حمنہ نوید، لاہور)

نعت رسول مقبولؐ، درس قرآن و حدیث، پیارے اللہ کے پیارے نام اور چچا تیز گام بہت پسند آئیں۔ ''سوال یہ ہے کہ......!'' بھی اچھا سلسلہ ہے۔ (ملک محمد عاطف عارف، لاہور)

جنوری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ گولی، بگڑا ہوا بندر، اُلجھن اور چچا تیز گام پولیس کے نرغے میں بہت پسند آئیں۔ نیا انعامی سلسلہ بھی بہت اچھا ہے۔ (محمد احمد رضا انصاری، کوٹ ادو)

چچا تیز گام کی تیزی پسند آئی۔ نئے سلسلے بھی اچھے لگے۔

(محمد حذیفہ علی، ملتان)

جنوری کا شمارہ اچھا تھا۔ سرورق بھی بہت اچھا تھا۔ (مہوش ملک، ملتان)

جنوری کا شمارہ بہت پسند آیا۔ گڑیا، بے مقصد کام اور گولی اچھی کہانیاں تھیں۔ نیا انعامی سلسلہ ''سوال یہ ہے کہ......!'' اچھا سلسلہ ہے۔ (میمونہ مقدس، ساہی وال)

ہونہار مصور میں ''دی ڈائریکٹرز اسکول ملتان'' کے بچوں کی بڑی تعداد میں شمولیت ہمارے لیے خوشی کا باعث ہے لیکن ان کی ڈرائنگ ہمیں دیر سے موصول ہوئی ہیں اور قرعہ اندازی میں شامل نہیں ہوئیں۔ آپ سے گزارش ہے کہ اپنی ڈرائنگ 10 تاریخ تک بھجوا دیا کریں۔ شکریہ!

WWW.PAKSOCIETY.COM

ارم کو جانور پالنے کا بہت شوق تھا۔ اس نے گھر میں بہت سے جانور پال رکھے تھے۔ رنگ برنگے طوطے، کٹ کٹ کرتی مرغیاں اور دوسرے جانوروں سے گھر میں خوب رونق رہتی۔ اسے ان سب جانوروں سے بہت پیار تھا۔ وہ سب اس کا دل بھی بہلاتے تھے۔ اس نے ایک کالے اور سفید رنگ کی بکری بھی پال رکھی تھی۔ اتفاق سے ارم کے گھر والے کسی عزیز کی شادی کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے تھے اور ارم گھر میں اکیلی تھی۔ ارم نے گھر کی ضروری خریداری کے لیے بازار جانا تھا۔ ارم نے 2 میٹر لمبی رسی بکری کے گلے میں باندھی اور بازار چلی گئی۔ بکری سے 3 میٹر کے فاصلے پر کچھ گھاس پڑی تھی۔ ارم جب بازار سے واپس آئی تو بکری نے گھاس کھالی تھی۔ آپ کھوج لگائیے کہ بکری نے کیسے گھاس کھالی؟
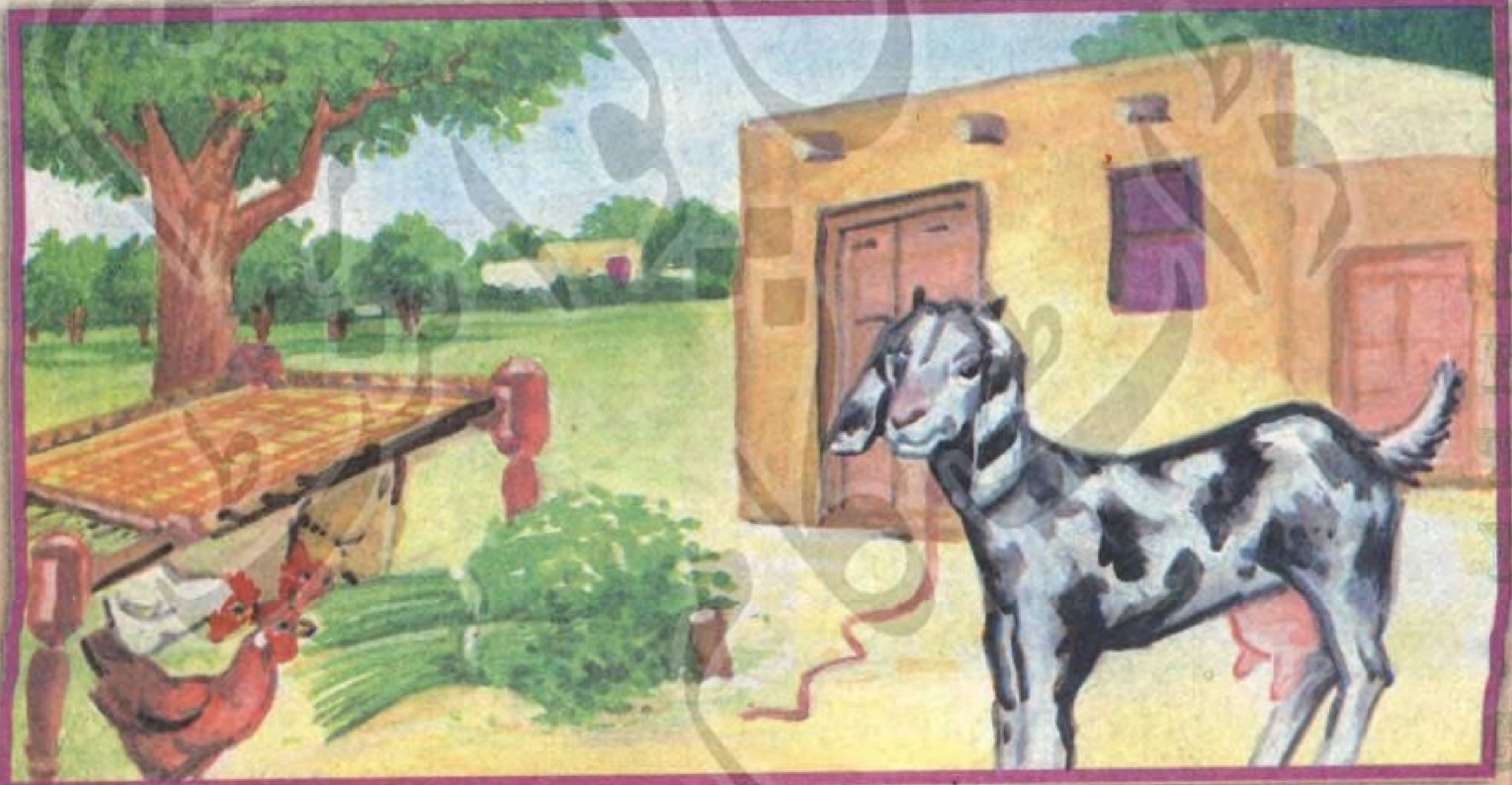
جنوری 2013ء میں شائع ہونے والے ''کھوج لگائیے'' میں پہیلی کا صحیح جواب ہے۔ ''سورج''

درج ذیل بچے انعام کے حق دار قرار پائے ہیں۔

1۔ معاذ اکبر، فیصل آباد

2۔ حسیب الرحمٰن غنی، ڈیرہ اسماعیل خان

3۔ ثمرن عظیم، اسلام آباد

4۔ عنان عثمان آڑھتی، شیخوپورہ

5۔ میاں احمد بن وقاص، ملتان

WWW.PAKSOCIETY.COM

عمران کو اپنے اہل و عیال کے ساتھ کسی رشتہ دار کی شادی میں شمولیت کے لیے کراچی جانا تھا۔ عمران کے ابو جان صبح دفتر جاتے ہوئے اسے فیملی کے لیے ٹکٹیں خرید کر ریزرو کروانے کا کہہ گئے تھے۔ عمران نے ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر گاڑی نکالی اور بڑی عجلت سے چلاتا ہوا گھر سے روانہ ہوا۔ اس کی بے قاعدہ اور غیر منظم ڈرائیونگ کی وجہ سے گاڑی رش میں پھنس گئی جس کی وجہ سے ٹریفک تقریباً ایک گھنٹہ متاثر رہی۔ اسی دوران ایک ایمبولینس میں ایکسیڈنٹ سے متاثرہ ایک شخص کی راستہ نہ ملنے کی وجہ سے روح پرواز کر گئی جس کا عمران کو بہت افسوس ہوا مگر اب افسوس کے سوا وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ گھر واپس آ کر اس نے اپنے امی ابو سے اپنی غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے عہد کیا کہ آئندہ ایسی بدنظمی کا مظاہرہ نہیں کرے گا کہ جس سے عوام الناس کی جان و مال کو نقصان ہو۔ عمران کی طرح جو بچے ایسا کرنے کا عہد کرتے ہیں ان کے نام آئندہ مہینے شائع کیے جائیں گے۔ اس عہد نامے میں شامل ہونے کے لیے کوپن ارسال کرنا ضروری ہے۔
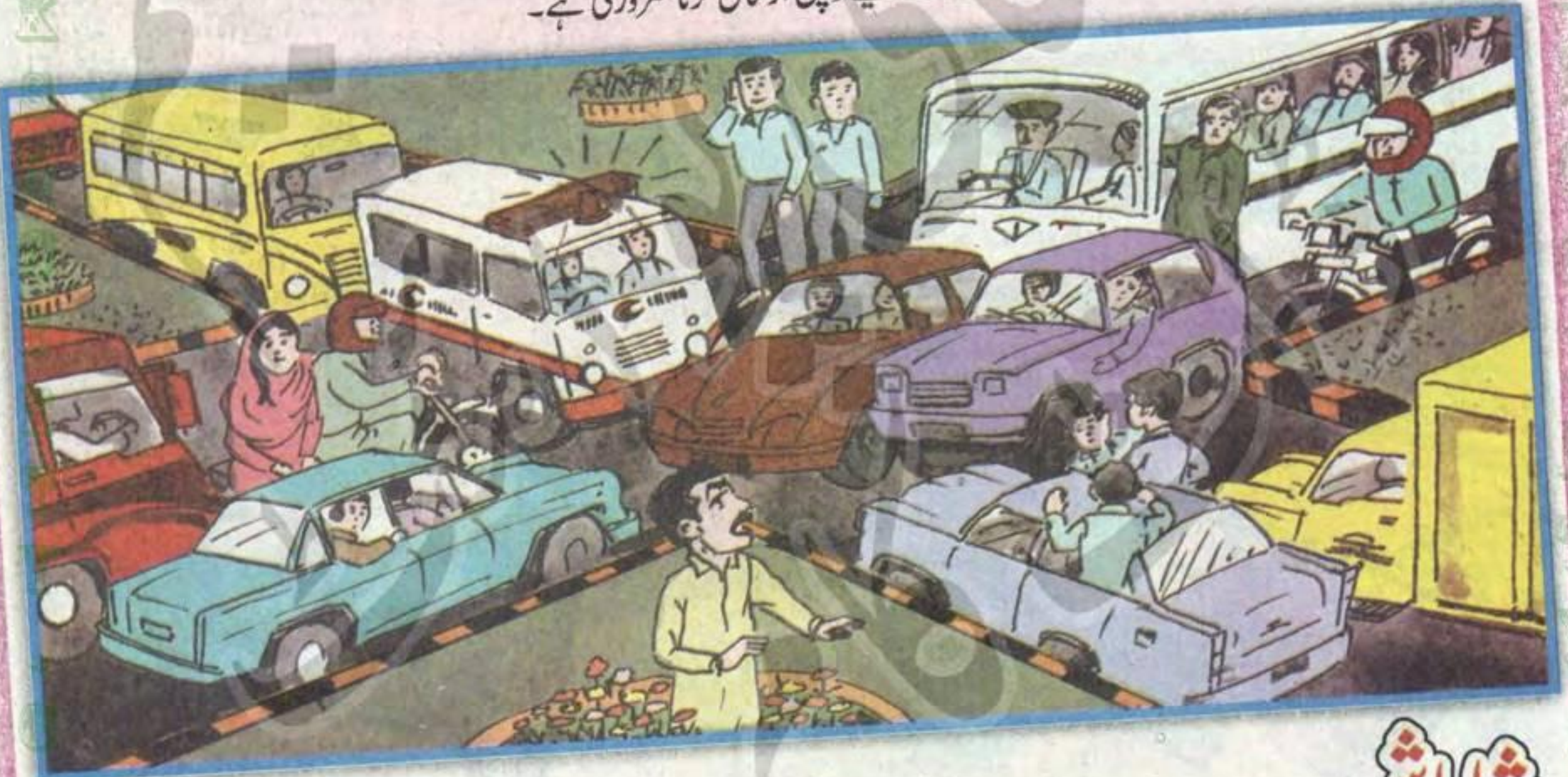
شاباش

ان بچوں نے عہد کیا کہ وہ اپنے بیمار دوست اور رشتہ دار کی ضرور عیادت کیا کریں گے۔

مناہل افضل، لاہور۔ فاطمہ بتول، عائشہ بتول، آمنہ بتول، تزئین احمد، فیصل آباد۔ محمد عمر، گوجرانوالہ۔ ماہین شاہد، گجرات۔ شامیر شہزاد بٹ، غیور حسن، فیصل آباد۔ تیمور علی، حافظ آباد۔ عبدالرحمٰن حامد، راولپنڈی۔ کشف طاہر، لاہور۔ عبداللہ بن نعیم، جہلم۔ محمد صفان شاہد، لاہور۔ اقصیٰ جبین، واہ کینٹ۔ ملک ولید زیب، پشاور۔ نصیبہ ناز، سرائے صالح۔ محمد بن اکرم، سرگودھا۔ حمزہ، لاہور۔ طوبیٰ امجد، خانقاہ ڈوگراں۔ مناہل فاطمہ، لاہور۔ مظہر عباس صدیقی، خانیوال۔ ظفر اللہ جمالی، کرک۔ عبدالمعیز، لاہور۔ رمشہ شفقت، لاہور۔ عامر نذیر، لاہور۔ عمر امتیاز، لالہ موسیٰ۔ توصیف ارشد، سرائے عالمگیر۔ محمد بن زبیر، راولپنڈی۔ معظم حفیظ، قلعہ دیدار سنگھ۔ حسان بدر، بورے والا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

محمد یونس حسرت

جگّو شاہ کا بھوت

جگو شاہ ہمارے قصبے کا سب سے بڑا ساہوکار تھا اور سب سے زیادہ امیر بھی۔ وہ لوگوں کو سود پر قرض دیتا اور پھر بڑی سختی سے پائی پائی وصول کرتا۔ لوگوں کو اُس سے بڑی نفرت تھی، لیکن جب بھی کسی کو کوئی ضرورت آ پڑتی تو وہ جگو شاہ ہی سے قرض لیتا، اس لیے کہ مانگنے والے کو اس کے ہاں سے قرض فوراً مل جاتا تھا۔

جگو شاہ اکیلا زندگی بسر کر رہا تھا۔ نہ بیوی، نہ بچے اور نہ کوئی اور رشتے دار۔ لوگ حیران ہو کر سوچتے کہ آخر وہ اتنی دولت کس کے لیے جمع کر رہا ہے؟ اُسے تو چاہیے کہ خیر خیرات کرے اور دنیا میں نیک نام ہو لیکن وہ تو خدا کے نام پر کسی کو پھوٹی کوڑی بھی دینے کو تیار نہ تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ میں اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی یوں ہی کیسے لٹا دوں؟ میں خیر خیرات کرنے لگوں تو کسی دن خود فقیر ہو جاؤں گا۔ لوگ اُس کی یہ باتیں سنتے اور کہتے کہ اِس کا تو دین ایمان ہی پیسہ ہے اور جب قصبے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ ڈاکوؤں نے جگو شاہ کو قتل کر دیا ہے اور اُس کی ساری پونجی لوٹ کر لے گئے ہیں تو لوگوں نے دانتوں تلے اُنگلیاں داب لیں۔

جگو شاہ کی ایک ہی نوکرانی تھی جو اس کے گھر کا سارا کام کاج کرتی تھی۔ ایک صبح وہ جگو شاہ کی حویلی کی طرف آئی تو اُس کو دروازے میں بیٹھے نیم کی مسواک کرتے ہوئے نہ دیکھ کر اُسے بڑی حیرانی ہوئی۔ جگو شاہ کی تو یہ پُرانی عادت تھی کہ وہ صبح کو جاگنے کے بعد اپنی حویلی کے دروازے میں بیٹھ جاتا اور پھر دیر تک نیم کی مسواک سے دانت صاف کرتا رہتا۔

نوکرانی نے خیال کیا کہ شاید شاہ جی رات کو دیر سے سوئے ہوں گے، اِس لیے نہیں جاگے ہوں گے اور اپنے کمرے میں پڑے نیند کے مزے لے رہے ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ گھر کے کام کاج میں لگ گئی لیکن ایک گھنٹا گزر جانے کے بعد بھی جگو شاہ باہر نہ آیا تو وہ فکر مند ہو گئی اور اُس نے اُس کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

اندر سے دستک کا کوئی جواب نہ آیا تو نوکرانی نے دروازے کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

ذرا سا دھکا دیا۔ دروازہ تھوڑا سا کھل گیا لیکن اُس نے اندر دیکھے بغیر ہی دروازہ بند کر دیا۔ اُسے اِس کمرے کے اندر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اُس نے سوچا کہ شاہ جی سیر کرنے کے لیے باہر گئے ہوں گے۔ یہ سوچ کر وہ پھر گھر کے کام کاج میں مصروف ہو گئی۔

ایک گھنٹا اور گزر گیا۔ جگو شاہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ اب نوکرانی کے لیے صبر کرنا مشکل ہو گیا۔ اُسے اچھی طرح معلوم تھا کہ جگو شاہ نے اُسے اپنے کمرے میں جانے سے منع کر رکھا ہے، لیکن اب وہ اِس حکم کو توڑنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ اُس نے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر جھانکا اور پھر چیخیں مارتی ہوئی پیچھے ہٹ گئی۔ کمرے کے اندر جگو شاہ کے سارے کاغذات، رجسٹر اور بہی کھاتے فرش پر پڑے تھے اور فرش ہی پر جگو شاہ کی لاش پڑی تھی لیکن اُس لاش کا سر غائب تھا۔

پولیس جلد ہی جائے واردات پر پہنچ گئی اور انسپکٹر نام دار نے ہر چیز کو بڑے غور سے دیکھنا شروع کیا۔ واردات سیدھے سادے طریقے سے ہوئی تھی۔ ڈاکو کمرے کی کھڑکی توڑ کر اندر داخل ہوئے تھے۔ اُن میں سے ایک باہر دروازے پر کھڑا ہو گیا تھا کہ کوئی خطرہ ہو تو اپنے ساتھیوں کو خبر کر دے۔ کمرے میں چار تجوریاں تھیں۔ ڈاکوؤں نے چاروں کی چاروں صاف کر دی تھیں اور جاتے ہوئے وہ جگو شاہ کا سر بھی لے گئے تھے۔

ڈاکو جگو شاہ کا سر کیوں لے گئے تھے؟ اس کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ انسپکٹر نام دار کو یہ آس تھی کہ وہ کمرے سے ڈاکوؤں کا کوئی نہ کوئی سراغ حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا لیکن اُسے مایوسی ہوئی۔ کمرے میں نہ تو ڈاکوؤں کے ہاتھوں کے نشان تھے اور نہ پیروں کے، نہ کسی کی ٹوپی تھی اور نہ پگڑی۔ غرض وہاں کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی جو ڈاکوؤں کا اتا پتا بتا سکتی۔

انسپکٹر نام دار اُلجھن میں پڑ گیا۔ اُس نے آج تک بہت سی اُلجھی ہوئی وارداتوں کو ہاتھ میں لیا تھا اور ہر بار مجرموں کو گرفتار کرنے میں کامیاب رہا تھا لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اُس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

شہرت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ڈاکوؤں نے اپنے پیچھے کوئی نشان نہ چھوڑا تھا۔ کسی شخص نے انہیں دیکھا نہ تھا۔ اور تو اور، کسی شخص نے کوئی چیخ، کوئی آواز تک نہیں سنی تھی۔ ایک سپاہی نے جو صبح چار بجے کے قریب اپنی ڈیوٹی پر تھا، چار آدمیوں کو منہ سر کپڑوں میں چھپائے جاتے ہوئے ضرور دیکھا تھا لیکن اُس وقت خاصی سردی تھی، اس لیے اُس نے کوئی خیال نہیں کیا تھا۔

قصبے کے دو حصے تھے۔ پُرانی آبادی اور نئی آبادی۔ اِن دونوں کے درمیان ایک بہت بڑا قبرستان تھا جس میں ببول اور جنڈ کے بے شمار درخت اور جھاڑیاں تھیں۔ یہ قبرستان دُور سے ایک جنگل دکھائی دیتا تھا اور دیکھا جائے تو جنگل سے کم تھا بھی نہیں۔ شام کے بعد تو کسی کو اتنی ہمت بھی نہیں ہوتی تھی کہ اُس میں سے گزرنے کا نام بھی لے سکے۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے تھے کہ مرنے والوں کی رُوحیں رات کے وقت اِس قبرستان میں چیخیں مارتی پھرتی ہیں۔

انسپکٹر نام دار نے قبرستان کو بڑی اچھی طرح دیکھا۔ اُس کا خیال تھا کہ جو ڈاکو اتنی دلیری سے یہ واردات کر سکتے ہیں، اُنہیں اس قبرستان سے ڈر نہیں لگتا ہو گا۔ وہ ضرور یہاں آئے ہوں گے اور جگو شاہ کے مال کے ساتھ اُس کا سر بھی یہیں کہیں دبا گئے ہوں گے۔ اِس واردات کے تین دن بعد ایک عجیب واقعہ ہوا۔ رات کے کوئی گیارہ بجے تھے۔ ایک بارات پُرانی آبادی کی طرف جا رہی تھی۔ گیس کے ہنڈے اٹھائے ہوئے پندرہ بیس آدمی بارات کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور باراتی باجے گاجوں کی تال پر خوشی سے جھومتے ہوئے جا رہے تھے کہ اچانک قبرستان کی ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ سے ایک عجیب و غریب آدمی نکل کر اُن کے سامنے آ گیا۔

دیکھنے والوں نے دیکھا اور ایک دم پہچان لیا۔ یہ جگو شاہ کا بھوت تھا۔ اُس کا سر غائب تھا اور وہ اُن لوگوں سے اپنا سر مانگ رہا تھا۔

"ہائے! میرا سر! میرا سر واپس دے دو! میرا سر واپس کر دو!"

باراتیوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ چیخیں مارتے ہوئے وہاں سے بھاگ گئے۔

اگلے دن پھر اُسی وقت لوگوں نے جگو شاہ کے بھوت کو دیکھا۔ وہ اپنا سر مانگ رہا تھا۔ وہ دُہائی دیتا، فریاد کرتا اور اپنا سر واپس مانگتا، جگو شاہ کی حویلی تک آیا۔ لوگ ڈر کے مارے اِدھر اُدھر دوڑنے بھاگنے لگے، بازار بند ہونے لگے اور لوگوں نے اپنے مکان کے دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند کر لیں کہ کہیں جگو شاہ کا بھوت اُن کے مکان میں نہ آ گھسے۔ ڈیوٹی پر موجود سپاہی پہلے تو جی کڑا کر کے کھڑا رہا، لیکن پھر ڈر کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اُس رات جگو شاہ کے بھوت کو کم از کم چار پانچ سو لوگوں نے دیکھا ہو گا۔

اگلے چند دنوں تک لوگوں نے اُس بھوت کو نہیں دیکھا لیکن کتنے ہی لوگوں کا یہ کہنا تھا کہ ہم نے خود اپنے کانوں سے قبرستان کی جھاڑیوں میں اُس کے رونے اور کراہنے کی آوازیں سنی ہیں۔ وہ رو رو کر اپنا سر مانگ رہا تھا۔

عام طور پر اُس بھوت کے نظر آنے یا اُس کے رونے کراہنے کی آواز آنے کا عمل تقریباً رات کے گیارہ بجے شروع ہوتا تھا۔ اِس لیے پولیس نے لوگوں کو ہدایت کی کہ اگر وہ اس وقت قبرستان سے دُور رہیں گے تو انہیں کوئی پریشانی نہیں ہو گی لیکن پولیس کی اِس بات کا اعتبار کون کرتا؟ لوگوں نے اُس طرف سے گزرنا ہی چھوڑ دیا۔ رات تو پھر رات ہے، اب دن میں بھی کوئی قبرستان کے پاس سے نہیں گزرتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ بھلا پولیس کا حکم جگو شاہ کے بھوت پر کیسے چل سکتا ہے کہ وہ رات کے گیارہ بجے ہی ظاہر ہو اور اس سے پہلے غائب رہے۔

اس واردات کے سولہ دن بعد کی بات ہے۔ رات کے کوئی نو بجے تھے۔ ہمیں بڑا ضروری کام تھا اور ہم تھے بھی بہت جلدی میں۔ یہ بات نہ ہوتی تو ہم کبھی قبرستان کے پاس سے گزرنے کا خطرہ مول نہ لیتے۔ ہمیں معلوم تھا کہ جگو شاہ کا بھوت ایک بار بھی گیارہ بجے سے پہلے ظاہر نہیں ہوا۔ اس لیے ہمیں کچھ تسلی تھی لیکن یہ ڈر بھی تھا کہ ہو سکتا ہے اُس کا بھوت کسی جھاڑی سے نکل کر ہمارے سامنے آن کھڑا ہو...... بھلا کہیں بھوت بھی وقت کے پابند ہوتے ہیں؟

جب میں اور میرا دوست قبرستان کے پاس سے گزرے تو ہمیں بھوت کے رونے اور فریاد کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ رو رو کر اپنا سر مانگ رہا تھا۔ ہمارے قدم وہیں گڑ گئے اور ہم سوچنے

WWW.PAKSOCIETY.COM

لگے کہ ہم نے بھوت کی آواز تو نو بجے ہی سن لی ہے، اب دیکھیں یہ بھوت ظاہر ہوتا ہے کہ نہیں؟

اور پھر اچانک ہم نے دیکھا کہ جگو شاہ کا بھوت رونے کی بجائے چپ چاپ قدم اُٹھاتا ہماری طرف آ رہا ہے۔ قریب تھا کہ ہماری چیخیں نکل جاتیں کہ ہم نے دیکھا بھوت اکیلا نہیں ہے، اُس کے پیچھے پیچھے پانچ آدمی اور چلے آ رہے ہیں۔

پھر ایک دم پولیس کی سیٹی کی آواز آئی۔ ہم دونوں چوکس ہو گئے۔ اِس کے ساتھ ہی ایک گرج دار آواز آئی۔ ”خبردار! بھاگنے کی کوشش مت کرنا!“ یہ آواز انسپکٹر نام دار کی تھی۔

ہم دونوں بالکل ایسے کھڑے رہے جیسے کسی نے جادو کر کے ہمیں پتھر کر دیا ہو۔ ہم میں اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی سکت نہ تھی حالانکہ انسپکٹر نام دار کا حکم ہمارے لیے نہیں تھا۔

جب وہ لوگ سڑک کے کنارے لگے ہوئے کھمبے کی روشنی میں آئے تو ہم یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جگو شاہ کا بھوت اصل میں انسپکٹر نام دار کا نوکر تھا جس نے بغیر سر کے بھوت کا سوانگ بھر رکھا تھا۔ انسپکٹر نام دار پستول ہاتھ میں لیے اُن چاروں آدمیوں کو ہتھکڑیاں لگائے اب تھانے کی طرف جا رہا تھا۔ ایک آدمی کے سر پر ٹین کا ایک ٹرنک تھا جس میں وہ تمام دولت تھی جو اُن چاروں نے جگو شاہ کے ہاں سے لوٹی تھی۔

انسپکٹر نام دار اپنی اِسکیم میں کامیاب رہا تھا۔ جگو شاہ کے بھوت کا کھیل اُس کے اپنے دماغ کی ایجاد تھی۔ وہ اپنے نوکر کو ساتھ لے کر قبرستان جاتا اور وہاں چھپ کر انتظار کرتا کہ کب ڈاکو آئیں اور قبرستان میں دبائی ہوئی دولت نکالیں۔ اُسے پورا یقین تھا کہ ڈاکو جب بھی آئے، گیارہ بجے سے پہلے پہلے آئیں گے، کیوں کہ پولیس کی طرف سے یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ جگو شاہ کا بھوت رات کے گیارہ بجے ظاہر ہوتا ہے۔ اِس سے پہلے نہیں۔
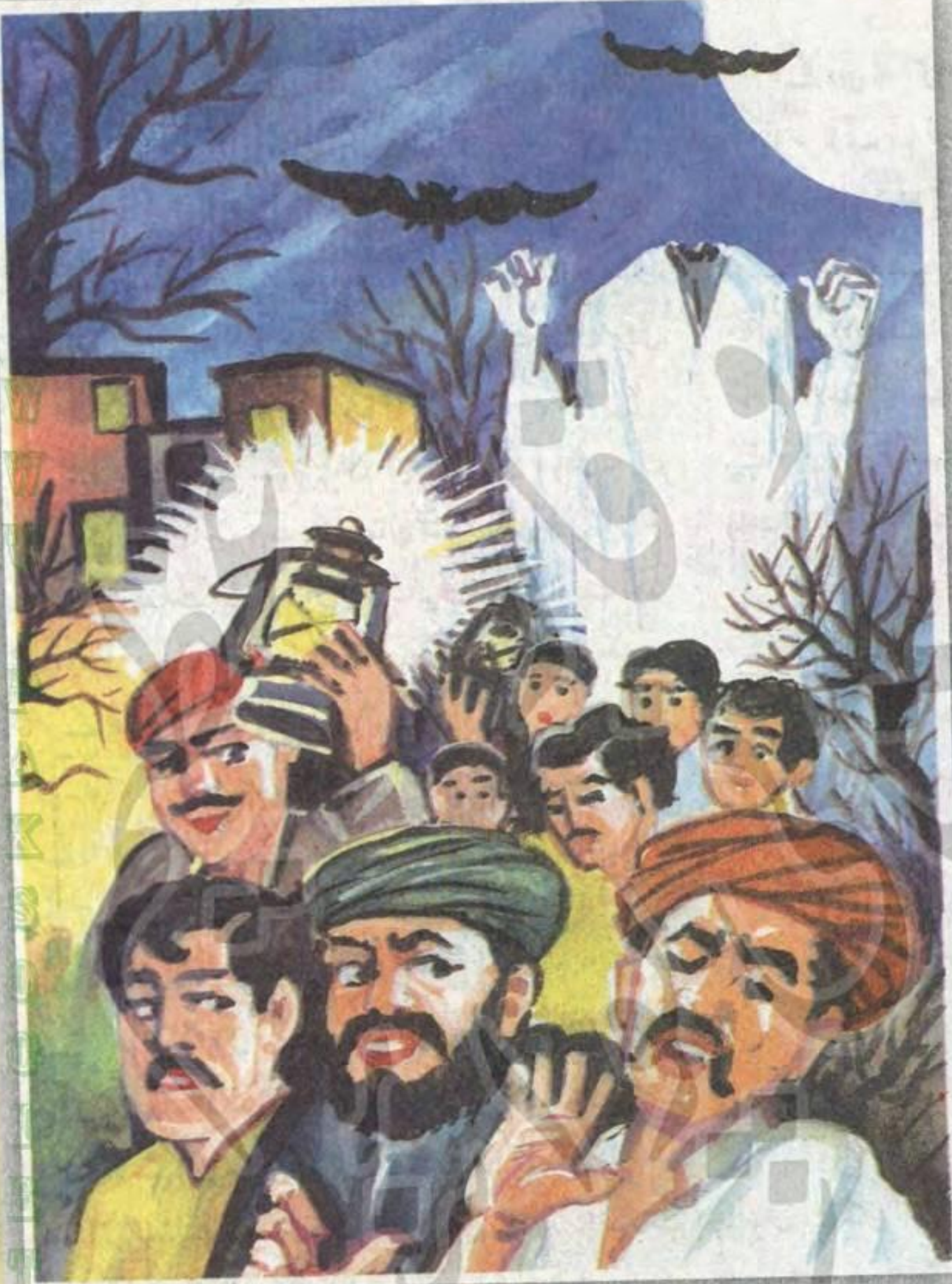
قدرت نے انسپکٹر نام دار کی مدد کی تھی اور وہ ڈاکوؤں کو قبرستان سے عین اُس وقت پکڑنے میں کامیاب ہوگیا تھا جب وہ اپنی دبائی ہوئی دولت وہاں سے نکال رہے تھے۔

اور جب انسپکٹر نام دار چاروں ڈاکوؤں کو ہتھکڑیاں لگا کر تھانے کی طرف لے جا رہا تھا، اُن میں سے تین ڈاکو اپنے چوتھے ساتھی کو گالیاں دے رہے تھے جس نے اُنھیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ جگو شاہ کا سر کاٹ کر دولت کے ساتھ دبا دیں تا کہ اُس کی رُوح اُن کی واپسی تک اس دولت کی حفاظت کرتی رہے۔ اُنھیں پورا یقین تھا کہ وہ بغیر سر کا بھوت جگو شاہ ہی کا تھا!

WWW.PAKSOCIETY.COM